www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

01

اُسوۂ حسنہ ﷺ

(سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
اُسوۂ حسنہ	اچھا نمونہ، بہترین نمونہ مراد ہے حضور ﷺ کا قول وفعل، زندگی گزارنے کے لیے راہ نمائی کا بہترین نمونہ
کتاب	اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید مراد ہے
سنت	حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ ﷺ کا قول وفعل یا طریقہ
حدیث	رسول اکرم ﷺ کے اقوال، احکام اور افعال
بحرین کا خزینہ دار	خلیجِ فارس اور بحیرۂ عرب کے سنگم پر، قطر اور سعودی عرب کے درمیان پانچ جزائر پر مشتمل ملک بحرین کہلاتا ہے۔ کسی زمانے میں موتیوں کی تجارت کا مرکز تھا العلا بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے کچھ جزائر فتح کیے اور وہاں کا خزانہ رسول ﷺ کے حضور بھیجا۔ آپ ﷺ نے اسے ملی امانت سمجھتے ہوئے قوم پر خرچ کیا، اپنی ذات پر نہیں۔
معرکۂ احد	مدینہ منورہ سے چار میل شمال میں اُحد نامی پہاڑ ہے جہاں مسلمانوں اور کفارِ مکہ کے درمیان شوال 3 ہجری میں جنگ ہوئی۔ آپ ﷺ کے حکم پر عمل نہ کرنے کے باعث مسلمانوں کو نقصان ہوا۔
بدر	مدینہ سے 80 میل شمال میں شام کی طرف جانے والی تجارتی شاہراہ کے پاس واقع بدر کا میدان ہے۔ رمضان 2 ہجری میں یہاں مسلمانوں اور کفار کا پہلا معرکہ ہوا۔
بنونظیر	مدینہ کا ایک جنگ جو یہودی قبیلہ، اس کی عہد شکنی اور شرارتوں سے تنگ آ کر مدینہ سے جلاوطن کر دیا گیا۔
خیبر	مدینہ سے 60 میل شمال میں خیبر یہودیوں کا بڑا مرکز تھا۔ ان کی سازشوں سے تنگ آ کر رسول ﷺ نے خیبر کے چھ قلعوں کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی، یہاں کی زمینوں کا نصف مسلم حکومت کو ملا۔
فدک	خیبر کے قریب یہودی قبیلے کے رہنے کا مقام۔ یہاں کے یہودیوں نے نصف پیداوار دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں کی آمدنی آپ ﷺ اور بنو ہاشم کے لیے مخصوص کر دی گئی۔
صُفہ کا معلمِ قدس	مسجد نبوی ﷺ کے صحن کا وہ چبوترہ جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعلیم حاصل کرتے تھے، صفہ کہلاتا ہے۔ آپ ﷺ یہاں تقدیس کی تعلیم دیتے۔ اس لیے انھیں صفہ کا معلمِ قدس کہا گیا ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

شعبِ ابی طالب	کفارِ مکہ نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے اہلِ خاندان کا معاشرتی مقاطعہ کیا جو تین سال جاری رہا۔ اس دوران آپ ﷺ کا خاندان مکہ کے قریب پہاڑ کی گھاٹی میں مقیم رہا۔ جسے شعبِ ابی طالب کہتے ہیں۔ چند رحم دل قریش کے افراد کی رحم دلی سے یہ بائیکاٹ ختم ہوا۔
حنین	مکہ اور طائف کے درمیان وادی کا نام جہاں ۸ ہجری میں مسلمانوں اور قبیلہ ہوازن کے درمیان جنگ ہوئی اور مسلمان فتح یاب ہوئے۔
شارع	شریعت لانے والا، صاحبِ شرع
لغوی	لغت کے مطابق، لغت سے منسوب
حلقۂ اطاعت	پیروی کرنے والوں کا حلقہ یا جماعت
سپہ سالار	فوج کا سربراہ
زاہد	متقی
عابد	عبادت گزار
مجاہد	جہاد کرنے والا
اہل و عیال	بیوی بچے
سوداگر	تاجر، بیوپاری
اصناف	اقسام
عالم گیر	دنیا پر چھایا ہوا
افعالِ جسمانی	مختلف جسمانی حالتوں میں انسان سے جو افعال سرزد ہوں۔
اخلاقِ فاضلہ	اعلیٰ اخلاق، عادات اور رویے
توکّل	(اللہ پہ) بھروسا
شکر	نعمتوں سے نوازنے والے کے احسانات پر ممنون ہونا۔
تقدیر	اندازہ، قسمت، نصیب
قناعت	اللہ جو عطا کرے اس پر راضی رہنا
استغنا	بے نیازی
جود	سخاوت

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تواضح	خاطر مدارت
مسکنت	غربت، عسرت
سوانح	زندگی کے حالات وواقعات
حجرِ اسود	جنت سے لایا گیا سیاہ رنگ کا پتھر، طواف کعبہ کے وقت زائرین/حجاج کرام اسے بوسہ دیتے ہیں۔
واعظ	نصیحت کرنے والا
رقیق القلبی	نرم دلی، رحم دلی
آفتابِ عالم تاب	تمام دنیا کو منور کرنے والا سورج
ابرِ باراں	بارش برسانے والا بادل

خلاصہ: (بورڈ 2007-11,16,18)

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محقق، مورخ، عالمِ دین اور اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ اس سبق میں انھوں نے رسول پاک ﷺ کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالی ہے۔

ہر مذہب نے اپنے ماننے والوں کو بتایا کہ اگر وہ اللہ کی محبت کے اہل بننا چاہتے ہیں تو اس مذہب کے بانی کی عمدہ نصیحتوں پر عمل کریں لیکن اسلام نے تمام مذاہب سے بہتر طریقہ اختیار کیا۔ اسلام نے رسول اللہ ﷺ کے عملی نمونے کی پیروی کرنے کو محبت الٰہی کے حصول کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ اسلام میں قرآن مجید کے ساتھ سنتِ نبوی ﷺ اہم ہے جو احادیث کی صورت میں موجود ہے۔ اسلام انسانی زندگی کی فلاح کے لیے سنتِ نبوی ﷺ کی پیروی کی دعوت دیتا ہے۔

معاشرتی زندگی میں انسان مختلف حیثیتوں کا مالک ہوتا ہے کہ دنیا کی بنیاد ہی اختلاف عمل پر ہے۔ اس میں بادشاہ، حاکم، محکوم، قاضی، سپہ سالار، غریب، امیر، زاہد، عابد، مجاہد، تاجر، سوداگر، امام اور پیشوا، سبھی لوگ موجود ہوتے ہیں۔ اور اسی تنوع اور رنگارنگی سے دنیا کا نظام چل رہا ہے۔ کوئی انسان جس حیثیت میں زندگی گزار رہا ہے اسے اپنی زندگی کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ہے۔ اسلام سبھی انسانوں کو اتباعِ رسول کی دعوت دیتا ہے کیوں کہ حضور ﷺ کی زندگی میں ہر ایک کے لیے درس عمل موجود ہے۔

انسان مختلف کام سرانجام دیتا ہے جس کے لیے اسے عملی نمونے کی ضرورت ہے جو حضور ﷺ کی سیرت میں موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہر انسان مختلف کیفیات سے دوچار ہوتا ہے۔ کبھی خوش، کبھی ناخوش، کبھی کامیاب، کبھی ناکام ہوتا ہے۔ ان مختلف کیفیات وجذبات میں ہمیں راہ نمائی کی ضرورت ہوتی ہے جو ہمیں پیغمبر اسلام ﷺ کی حیاتِ طیبہ سے حاصل ہو سکتی ہے جو ہر انسانی گروہ کی ہر حالت میں ہر کیفیت میں صحیح راہ نمائی کر سکتی ہے۔ اسی طرح انسان کی مختلف حیثیتیں اور حالتیں بھی تقاضا کرتی ہیں کہ ان کے لیے ایک عملی نمونہ موجود ہو۔ اس سلسلے میں بھی سرورِ عالم ﷺ کی ہستی نمونۂ عمل ہے۔ دولت مند کے لیے مکہ کے تاجر اور بحرین کے خزینہ دار کی حیثیت سے، غریب کے لیے شعب ابی طالب کے محصور کی حیثیت سے، بادشاہ کے لیے سلطان عرب کی حیثیت سے، رعایا کے لیے قریش کے محکوم کی حیثیت سے، فاتح کے لیے بدر وحنین کے سپہ سالار کی حیثیت سے، ہارنے والے کے لیے معرکۂ احد کے سالار کی حیثیت سے، معلم کے لیے صفہ کی درس گاہ کے معلم کی حیثیت سے، شاگرد کے لیے روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے کی حیثیت سے، فاتح کے لیے فاتح مکہ کی حیثیت سے، شوہر کے لیے خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

www.pakcity.org www.pakcity.org

کے خاوند کی حیثیت سے، باپ کے لیے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے والد اور حسنین رضی اللہ عنہما کے نانا کی حیثیت سے تمام انسانی طبقوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود مبارک کائنات کو روشن کرنے والا سورج تھا جس سے کائنات کے ہر ذرے نے فائدہ اٹھایا، یا بارش برسانے والا ایسا بادل تھا جو ہر جگہ برسا اور اس سے زمین کا ہر ٹکڑا اپنی صلاحیت کے مطابق سیراب ہوا اور کائنات خوب صورت ہوگئی۔ اگرچہ انسانوں میں مزاجوں کا اختلاف ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ مسلمان ایک خدا، ایک قرآن، ایک رسول اور ایک قبلہ کو مانتے تھے اور سبھی کے پیشِ نظر اللہ اور رسول کے نام کی سربلندی تھی۔ غرض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جامع شخصیت ہی آخری، دائمی اور عالم گیر راہ نما قرار پائی۔ ارشاد ربانی ہے:

''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اتباع کرو۔ اللہ بھی تم سے محبت کرے گا۔'' (خطباتِ مدراس)

....

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے ہر مذہب نے ایک ہی تدبیر بتائی ہے اور وہ یہ ہے کہ اس مذہب کے شارع اور طریقے کے بانی نے جو عمدہ نصیحتیں کی ہیں، ان پر عمل کیا جائے، لیکن اسلام نے اس سے بہتر تدبیر اختیار کی ہے۔ اس نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے اور عملی مجسمے کی پیروی اور اتباع کو خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کا ذریعہ بتایا ہے۔''

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف کا نام: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق:

تمام مذاہب نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا اہل بننے کے لیے اس مذہب کے بانی کی عمدہ نصیحتوں پر عمل کرنے کو ضروری قرار دیا ہے۔ جب کہ اسلام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عملی مجسمے کی پیروی کو اللہ کی محبت کے حصول کا ذریعہ بتایا ہے۔ دنیا کی بنیاد اختلافِ عمل پر ہے۔ انسان کے جسمانی اور ذہنی اعمال بھی مختلف ہیں۔ انسان جس سماجی حیثیت سے تعلق رکھتا ہو، اسے جسمانی افعال اور ذہنی اعمال کے لیے ایک عملی نمونے کی ضرورت پڑتی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات میں وہ اوصاف جمع کر دیے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اس اصناف وانواع سے بھری دنیا کی عالم گیر اور دائمی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دے سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال سورج یا بادل کی طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہر ایک نے فائدہ اٹھایا۔ اسی لیے اللہ نے اپنی محبت کو اطاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشروط کر دیا ہے۔

تشریح:

سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محقق، مورخ، عالمِ دین اور اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ 1925ء میں انھوں نے جامعہ مدراس کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطبات دیے۔ شاملِ نصاب سبق ان کے پانچویں خطبے سے ماخوذ ہے۔ اصل کتاب میں اس کا عنوان ''جامعیت'' ہے۔ زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے حضرت محمد رَّسُولُ اللہ خَاتَمُ النَّبِیّٖن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالی ہے۔

جب سے انسان نے سوچنا شروع کیا ہے تین موضوعات ہمیشہ اس کے سامنے موجود رہے ہیں۔

i) اپنی ذات ii) کائنات iii) ان سب کا پیدا کرنے والا

انسان کی یہ آرزو رہی ہے کہ وہ اپنے خالق کے بارے میں زیادہ سے زیادہ جانے تاکہ وہ اس کی قربت حاصل کرے اور اس کے پسندیدہ بندوں میں شامل ہو جائے۔ دنیا میں جتنے بھی مذاہب موجود ہیں سب نے اس کا ایک ہی طریقہ بتایا ہے کہ اس مذہب کی بنیاد رکھنے والے

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کے بتائے ہوئے اصولوں پر عمل کیا جائے۔ اس نے جو تعلیمات پہنچائی ہیں انھیں اپنی زندگی میں برتا جائے۔ تو انسان اللہ کی محبت کا حق دار بن جاتا ہے لیکن اسلام نے اس سے بہتر طریقہ پیش کیا ہے اور وہ یہ کہ حضور ﷺ کی سیرت، آپ کا عملی مجسمہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

''اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے کہ اگر تمھیں خدا کی محبت کا دعویٰ ہے تو
میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''

کسی تصور، فکر یا نظریے کو جب عملی جامہ پہنایا جاتا ہے تو بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اصولی اعتبار سے بہت سی باتیں ممکن نظر آ رہی ہوتی ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے بڑی آسانی سے ان پر عمل بھی کیا جاسکتا ہے لیکن علم جب عمل کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے تو واقعیت کی سنگینی کا پتا چلتا ہے۔ بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ لوگ کسی بات پر عمل نہ کرنا چاہتے ہوں تو ان کے پاس یہ عذر موجود ہوتا ہے کہ کوئی بات کہہ دینا آسان ہے لیکن اس پر عمل کرنا ممکن نہیں۔ فطری سہل پسندی کئی بہانے تراش دیتی ہے۔ اسلام نے اس رویے کا سدباب کرنے کے لیے حضور ﷺ کی عملی زندگی سب کے سامنے رکھ دی کہ دیکھ لو اس طرح زندگی گزاری جاسکتی ہے۔ ایک معاشرے میں رہتے ہوئے عام آدمی کی طرح زندگی کی سرگرمیوں کو کس طرح پورا کیا جاسکتا ہے۔ ہر انسان کو مختلف معاملات سے دوچار ہونا پڑتا ہے، یعنی انسان کو کیسے گفتگو کرنا چاہیے، کیسے کھانا کھانا چاہیے، کیسے پانی پینا چاہیے، بچوں سے کیسا برتاؤ کرنا چاہیے، گھریلو زندگی کی ذمہ داریاں کیسے نبھانا چاہییں، اپنوں سے کیسے برتاؤ کرنا چاہیے، بیگانوں سے کیا سلوک کرنا چاہیے، جنگ ہو رہی ہو تو کیسا رویہ ہونا چاہیے، امن ہو تو کیسے رہنا چاہیے، اقتدار حاصل ہو تو اس کا استعمال کیسے کرنا چاہیے، خوشی ہو تو کیسے منانا چاہیے، دکھ ہو تو اس کا اظہار کس طرح کرنا چاہیے، سوالی آجائے تو اس کے ساتھ کیسے پیش آنا چاہیے۔ یہ سب کچھ حضور ختمی مرتبت حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیّٖن ﷺ نے اپنی زندگی میں کر کے دکھایا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''بے شک تمھارے لیے اللہ کے رسول ﷺ کی ہستی میں بہترین نمونہ ہے''۔

ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی ذات سے محبت چاہتا ہے اسلام نے اس کا یہ طریقہ بتایا کہ حضور ﷺ کی سیرت پر عمل کیا جائے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو یہ چاہتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ عزیز ہو جائے اللہ کی محبت اسے حاصل ہو جائے تو اس کے لیے لازم ہے کہ وہ حضور ﷺ کی سیرت پر عمل کرے۔ اور جب ایک عملی نمونہ سامنے موجود ہو تو زندگی گزارنا آسان ہو جاتا ہے۔ انسان اپنی ساری عقل و دانش کے باوجود خدائی احکام اور الہامی ہدایت کا محتاج رہا ہے خدائی احکام اور الہامی ہدایت زمین پر عملی صورت میں صرف انبیا اور رسل کی شکل میں موجود ہوتی ہے۔ ہر نبی اور رسول اپنے زمانے اور اپنی قوم کے لیے ایک نمونہ ہوتا ہے اگر قوم اس کی پیروی کرتی ہے تو ہدایت یافتہ ہو جاتی ہے۔ ان کے عقائد اور اعمال کے نتائج ان کے حق میں خوش بختی بن کر ظاہر ہوتے ہیں۔ زندگی کی حقیقت اور اس کے تقاضوں کے پیشِ نظر ضروری ہے کہ ایک ایسا نمونۂ عمل سامنے ہو جس کی اتباع اور پیروی دنیا اور آخرت کی ساری فلاح اور کامیابی کا ذریعہ بن جائے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے اور بجا طور پر اللہ نے قرآن حکیم میں یہ احسان جتایا بھی ہے۔ کہ اُس نے رہتی دنیا تک انسانوں کی ہدایت کے لیے اس کائنات کی سب سے معصوم، مُبارک، کامل اور جامع ہستی کو آخری رسول بنا کر بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں زندگی کے ہر اُس مسئلے کا جواب اور حل عملی صورت میں موجود ہے جو انسان کو اس کی زندگی کے کسی بھی مرحلے پر پیش آسکتا ہے۔ یہ دعویٰ اپنی جگہ اٹل اور ناقابلِ تردید ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہی ہماری دنیاوی زندگی کی کامیابی اور آخرت کی فلاح کے لیے بہترین نمونۂ عمل ہیں۔ چناں چہ قرآن کا یہ دعویٰ ہر ذی شعور کو دعوتِ ایمان دے رہا ہے کہ اگر تم اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنانا چاہتے ہو تو تمھارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم رسول اللہ ﷺ کو اپنا ہادی اور رہنما بنا لو اور یاد رکھو خدا کی نظر میں محبوب ہونے کا بھی صرف یہی ایک ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

....

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اقتباس: ''محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیِّین ﷺ کا وجودِ مبارک ایک آفتاب عالم تاب تھا جس سے اونچے پہاڑ، ریتلے میدان، بہتی نہریں، سرسبز کھیت، اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق تابش اور نور حاصل کرتے تھے یا ابر باراں تھا، جو پہاڑ اور جنگل، میدان اور کھیت، ریگستان اور باغ ہر جگہ برستا تھا اور ہر ٹکڑا اپنی اپنی استعداد کے مطابق سیراب ہو رہا تھا، قسم قسم کے درخت اور رنگارنگ پھول اور پتے جم رہے تھے اور اُگ رہے تھے۔

(بورڈ 2011)

حوالہ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اسوۂ حسنہ ﷺ

مصنف کا نام: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محقق، مورخ، عالمِ دین اور اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ 1925ء میں انھوں نے جامعہ مدراس کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطبات دیے۔ شاملِ نصاب سبق ان کے پانچویں خطبے سے ماخوذ ہے۔ اصل کتاب میں اس کا عنوان ''جامعیت'' ہے۔ زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیِّین ﷺ کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالی ہے۔

حضور ﷺ ختمی مرتبت کو سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا گیا۔ چناں چہ حضور ﷺ کی ہستی بلاتخصیص سب کے لیے سراپا لطف و عنایات ہے۔ آپ ﷺ کی مثال چمکتے ہوئے سورج کی طرح ہے کہ جو چیز اس کے سامنے آتی ہے وہ اپنی روشنی اور حرارت اس تک پہنچنے سے روکتا نہیں ہے لیکن جہاں یہ روشنی اور حرارت پہنچتی ہے وہاں موجود اشیا میں اس روشنی اور حرارت سے استفادہ کرنے کی صلاحیت مختلف ہو سکتی ہے۔ سورج کی روشنی فصلوں پر پڑے تو انھیں پکنے میں مدد دیتی ہے۔ درختوں میں ضیائی تالیف کا سبب بنتی ہے۔ دریاؤں اور سمندروں پر پڑے تو پانی کو بخارات میں تبدیل کرتی ہے جو بادلوں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ ریگستان پر سورج کی شعاعیں پڑیں تو ریت کے گرم ہونے سے ہوا کا دباؤ بدلتا ہے جو موسموں کی تبدیلی کا باعث بنتا ہے۔ سورج کی یہ روشنی پھولوں کے کھلنے کا باعث بنتی ہے۔ مصنف کے موقف کے مطابق حضرت محمد رَسُولُ اللہِ خَاتَمُ النَّبِیِّین ﷺ کے وجود کی مثال ایک سورج کی طرح ہے کہ آپ ﷺ سے ہر کسی نے فائدہ اٹھایا۔

سورج ایک ہے اس کی کرنیں ایک جیسی ہیں لیکن یہ روشنی یہ حرارت مختلف صلاحیتیں رکھنے والی چیزوں تک پہنچتی ہے تو اس کے اثرات مختلف ہوتے ہیں کیوں کہ ہر شے کی صلاحیت مختلف ہے۔ سید سلیمان ندوی دوسری مثال بارش برسانے والے بادل کی دیتے ہیں۔ جس طرح بارش برستی ہے تو وہ مختلف چیزوں تک پہنچنے میں بخل سے کام نہیں لیتی۔ وہ پہاڑوں پر بھی برستی ہے جو پانی اپنے پاس روک نہیں لیتے بلکہ ندی نالوں کی صورت میں میدانی علاقوں کی طرف بھیج دیتے ہیں۔ بارش سرسبز میدانوں پر بھی پڑتی ہے جہاں مختلف طرح کی روئیدگی ہوتی ہے۔ یہ بارش دریاؤں پر بھی برستی ہے جہاں یہ طغیانیوں کا باعث بھی بنتی ہے اور زمین کی سیرابی کا وسیلہ بھی بنتی ہے اور یہی بارش جب ریتلے میدانوں پر برستی ہے تو جلتی ریت کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ گویا ایک ہی مظہر جب وقوع پذیر ہوتا ہے تو اس کے اثرات کا انحصار اس پر ہوتا ہے کہ دوسری جانب مستفید ہونے والی جو چیز موجود ہے اس کی کیا صلاحیتیں ہیں۔

حضور ﷺ کی عنایات ساری دنیا کے لیے ہیں۔ ہر فرد اپنی صلاحیتوں کے اعتبار سے حضور ﷺ کی ہستی سے استفادہ کر رہا تھا جس طرح بارش برسنے کے بعد رنگارنگ پھول کھل اٹھتے ہیں۔ سبزہ لہلہانے لگتا ہے۔ اسی طرح حضور ﷺ کی سیرت سے استفادہ کر کے کوئی سلمان فارسی بن رہا تھا تو کوئی ابوذر غفاری کوئی حذیفہ یمانی تو کوئی صہیب رومی اگر ایک طرف بلال حبشی تھے تو دوسری طرف زید بن حارث۔ ہر کوئی اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق اپنے دامن میں رحمتیں سمیٹنے میں مصروف تھا۔ جس میں جتنی استعداد تھی اسی نسبت سے اپنے کردار و اعمال کو بہتر بنانے میں مصروف تھا۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دنیا کے بعض اپنے تئیں دانش ور کہلانے والوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت و تبلیغ کے نتائج پر یہ اعتراض اٹھایا ہے کہ آپ کے اس قدر مؤثر اندازِ تبلیغ کے باوجود آپ کے تمام مخاطب ایمان کیوں نہ لائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج ساری دنیا پر برابر چمکتا ہے۔ مگر کچھ گوشے پھر بھی تاریک رہتے ہیں۔ اس میں قصور سورج کا نہیں ہے اس کی روشنی ساری دنیا کے لیے برابر ہے، اس کا فیض سب کے لیے عام ہے۔ چناں چہ رسول اللہ ﷺ کے مؤثر اندازِ تبلیغ کے باوجود کوئی محروم رہا ہے۔ تو یہ اُس کی کم ظرفی اور کوتاہی ہے۔ اسی طرح بادل کی مثال سے بھی یہ نکتہ سمجھا جا سکتا ہے۔ بادل بھی مساوات کا قائل ہے اور تمام چیزوں پر برابر برستا ہے لیکن زمین پر نتائج مختلف نکلتے ہیں۔ زرخیز زمین بارش کے اسی پانی سے خوب فصل اگاتی ہے جب کہ بنجر زمین پر اس پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا جب کہ کسی جگہ کوڑا کرکٹ پڑا ہو تو وہ جگہ متعفن ہو جاتی ہے۔ ایک بارش کے اس قدر مختلف اثرات محض بارش کا نتیجہ نہیں درحقیقت زمین کے مختلف ٹکڑوں کی خصوصیت کے اعتبار سے نتائج نکلتے ہیں۔ محمد رّسُولُ اللہ خَاتَمُ النَّبِیِّین ﷺ ایک برستے ہوئے مہربان اور سخی بادل کی طرح ہیں جو تمام انسانیت پر اپنی رحمت کی بارش برابر برساتے رہے۔ مختلف انسانی گروہ اور مختلف انسانی مزاج اس بارش سے کس طرح فیض یاب ہوئے یہ اس انسانی مزاج کی نوعیت پر منحصر ہے۔ سرورِ عالم ﷺ کی تبلیغ کا اثر قبول کرنے والے اپنی اپنی بساط کے مطابق فیض یاب ہوئے یا محروم رہے۔

....

اقتباس: علاوہ ازیں وہ افعال جن کا تعلق دل و دماغ سے ہے اور جن کی تعبیر ہم اعمال قلب یا جذبات اور احساسات سے کرتے ہیں۔ ہر آن ہم ایک نئے قلبی عمل، جذبے یا احساس سے متاثر ہوتے ہیں۔ ہم کبھی راضی ہیں، کبھی ناراض کبھی خوش ہیں، کبھی غم زدہ، کبھی مصائب سے دوچار ہیں اور کبھی نعمتوں سے مالا مال، کبھی ناکام ہوتے ہیں اور کبھی کامیاب، ان سب حالتوں میں ہم مختلف جذبات کے ماتحت ہوتے ہیں۔ اخلاقِ فاضلہ کا تمام تر انحصار انھی جذبات اور احساسات کے اعتدال اور باقاعدگی پر ہے، ان سب کے لیے ہم کو ایک عملی سیرت کی حاجت ہے۔

(بورڈ 2007)

حوالہ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اسوۂ حسنہ ﷺ

مصنف کا نام: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محقق، مورخ، عالمِ دین اور اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ 1925ء میں انھوں نے جامعہ مدراس کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطبات دیے۔ شاملِ نصاب سبق ان کے پانچویں خطبے سے ماخوذ ہے۔ اصل کتاب میں اس کا عنوان ''جامعیت'' ہے۔ زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے حضرت محمد رّسُولُ اللہ خَاتَمُ النَّبِیِّین ﷺ کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالی ہے۔

ہر انسان کو اپنی عملی زندگی میں مختلف حالات و واقعات، جذبات و احساسات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ چناں چہ ایک ہی انسان مختلف اوقات میں مختلف رویوں کا اظہار کرتا ہے۔ ہمارے تمام افعال دل و دماغ کے احکامات کے تابع ہوتے ہیں۔ یعنی ہمارے ہر عمل کا محرک کوئی دلی جذبہ یا دماغی احساس ہوتا ہے۔ دل کے احساس کے تابع ہمارے افعال اعمالِ قلب کہلاتے ہیں اور دماغی محرک کے تحت سرانجام پانے والے افعال شعوری افعال کہلاتے ہیں جو اندرونی یا بیرونی عوامل سے متاثر ہو کر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔

ہم زندگی میں مختلف لوگوں سے ملتے ہیں۔ اس باہمی تعلق کے نتیجے میں لوگوں پر اثرات مرتب بھی کرتے ہیں اور اُن سے اثرات قبول بھی کرتے ہیں۔ چوں کہ ہمارا واسطہ مختلف انواع کے لوگوں سے پڑتا ہے اس لیے ہمارے اعمال اور ردِ عمل بھی یکساں نہیں رہتے اور ہم اکثر مختلف کیفیات کا شکار رہتے ہیں۔ ہمارے جذبات و احساسات حالات و واقعات کے مطابق تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کبھی دوسروں کے افعال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے ہوتے ہیں اور کبھی انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض کیفیات ہمیں خوشی سے ہم کنار کر

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دیتی ہیں اور بعض واقعات غم زدہ کر دیتے ہیں۔ ہم کبھی زندگی میں مشکلات کا شکار ہو جاتے ہیں اور کبھی نہایت آسودگی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔

عملی زندگی میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کی ہماری کوششیں کبھی تو ہمیں کامیابی سے نوازتی ہیں اور کبھی ناکامی اور نامرادی ہمارا مقدر بن جاتی ہے۔ ان تمام مختلف اور متضاد مواقع پر ہمارا ردِعمل بھی یقینی طور پر نہایت مختلف ہوتا ہے جس کا اظہار ہم جذباتی طور پر کرتے ہیں۔ انہی متضاد انسانی رویوں کو معاشرتی حالات و واقعات سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے معاشرہ کچھ قوانین وضع کرتا ہے جنھیں اخلاقیات کہا جاتا ہے۔ تاہم انسان اور معاشرے کے بنائے ہوئے اخلاقی قوانین کو غلطیوں سے مُبرّا قرار نہیں دیا جا سکتا کیوں کہ انسان تمام ممکنات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔

لہٰذا روحانی ضروریات کی تکمیل کے لیے ہمیں مذہب کی راہ نمائی درکار ہوتی ہے اور مذہب کے مطابق اچھے اور عمدہ اخلاقیات کا دارومدار میانہ روی یعنی جذبات کے معتدل اور باقاعدہ ہونے پر ہے۔ اِن عمدہ اخلاقیات کا وہ نمونہ جو سب کے لیے قابلِ عمل اور قابلِ قبول ہو، صرف اور صرف پیغمبرِ خدا کی شکل میں ہی مِل سکتا ہے اور اس کے علاوہ کوئی نمونہ تمام انسانوں کی تمام حیثیتوں کے لیے قابلِ فہم اور قابلِ عمل ہو ہی نہیں سکتا۔ ارشادِ ربانی ہے:

''بے شک تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔''

اقتباس: ''ایسی کامل و جامع ہستی جو اپنی زندگی میں ہر نوع اور ہر قسم، ہر گروہ اور ہر صنفِ انسانی کے لیے ہدایت کی مثالیں اور نظریں رکھتی ہو، وہی اس لائق ہے جو اس اصناف و انواع سے بھری ہوئی دنیا کی عالم گیر اور دائمی راہ نمائی کا کام سرانجام دے، جو غیظ و غضب اور رحم و کرم، جود و سخا اور فقر و فاقہ، شجاعت و بہادری اور رحم دلی، رقیق القلبی، دنیا اور دین دونوں کے لیے ہمیں اپنی زندگی کے نمونوں سے بہرہ مند کر دے، جو دنیا کی بادشاہی کے ساتھ آسمان کی بادشاہی اور اس آسمان کی بادشاہی کے ساتھ دنیا کی بادشاہی کی بھی بشارت دے اور دونوں بادشاہیوں کے قواعد و قوانین اور دستور العمل کو اپنی زندگی میں برت کر دکھا دے۔''

(بورڈ 2009)

عوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اسوۂ حسنہ ﷺ

مصنف کا نام: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ مشہور محقق، مورخ، عالمِ دین اور اعلیٰ پائے کے ادیب تھے۔ 1925ء میں انھوں نے جامعہ مدراس کی مسلم ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی دعوت پر خطبات دیے۔ شاملِ نصاب سبق ان کے پانچویں خطبے سے ماخوذ ہے۔ اصل کتاب میں اس کا عنوان ''جامعیت'' ہے۔ زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین ﷺ کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالی ہے۔

الہامی مذاہب کے پیروکار تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور اُن کا تعلق کسی ایک خاص نسل، قوم، قبیلے، رنگ یا مُلک سے نہیں اِس حقیقت سے بھی انکار کیا جانا ناممکن ہے کہ موسم، آب و ہوا، جغرافیائی حالات اور زمینی ساخت میں فرق کی وجہ سے ہر خطہ کا طرزِ زندگی اور ظاہری ضروریات کے ساتھ ساتھ ان کی سوچ اور افکار میں بہت زیادہ فرق پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی مختلف اندرونی اور بیرونی عوامل کی وجہ سے ہر علاقہ کا رہن سہن، روایات اور اقدار کے ساتھ ساتھ عملی رویے بھی مختلف ہوا کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نبی آخر الزماں ﷺ کی بعثت سے پہلے ہر قوم اور قبیلے کے لیے اللہ تعالیٰ نے الگ الگ انبیا مبعوث فرمائے جو کہ اپنی مخصوص علاقائی ضروریات اور علاقہ کے لوگوں کی مخصوص ذہنیت کے پیشِ نظر اُنھیں احکاماتِ الٰہی سے روشناس کراتے رہے۔ اس علاقائی اندازِ تبلیغ کی وجہ سے حق کے متلاشی لوگوں کو دین سمجھنے میں آسانی رہتی۔ تاہم ایک نبی کے انتقال کے بعد لوگ یا تو اُن کی تعلیمات کو بُھلا دیتے یا حسبِ ضرورت اُن میں تبدیلی کر کے دین کی اصل شکل کو بالکل ہی بگاڑ کر رکھ دیتے۔ ایسی شکل میں اللہ تعالیٰ کرم فرماتے ہوئے ایک نئے نبی یا رسول کو مبعوث فرما دیتے جو یا تو دین اصلی شکل میں بحال کر دیتے یا پھر سابقہ شریعت کو منسوخ کر کے نئی شریعت نافذ کر دیتے۔ اس وقت تک انسانی ذہن ارتقا کی اس منزل کو نہیں پہنچا تھا کہ ایک عالم گیر دین لایا جاتا جو سب کو اپنے اعمال کے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

لیے عملی روشنی میسر کرتا۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب انسانی شعور ارتقا کی منازل طے کرتا ہوا جب اپنی ترقی یافتہ شکل میں پہنچا تو نبی پاک ﷺ کی شکل میں ایک حتمی اور عالم گیر دین بنی نوع انسانیت کو مرحمت فرما دیا گیا۔ ایک ایسا دین جو محض چند عادات کا مجموعہ ہی نہ ہو بلکہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہو اور جو ہر انسانی حالات میں اُس کی راہ نمائی کا فریضہ سرانجام دے۔ چناں چہ حضرت محمد رَسُوْلُ اللّٰہِ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ ﷺ کی ہی ہستی ہے جو کسی مخصوص علاقے یا قوم کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے لیے راہ نما بن کے آئے۔

ایک ہی انسان مختلف اوقات میں مختلف رویوں کا اظہار کر رہا ہوتا ہے وہ کسی پر تو اپنا غضب ڈھا رہا ہوتا ہے اور کسی سے لطف و کرم کا سلوک کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی تو فاقہ کشی کا شکار ہوتا ہے اور کبھی سخاوت کے دریا بہا رہا ہوتا ہے۔ وہ کبھی تو بہادری کی نئی داستانیں رقم کر کے دادِ شجاعت وصول کر رہا ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کے دُکھ درد بانٹ رہا ہوتا ہے۔ ان تمام حالتوں، عملوں اور جذبوں کے لیے حضور ﷺ کی زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

آفاقی مذہب کے پیغمبر میں یہ خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہونی چاہییں کہ وہ نہ صرف دنیا میں کامیابی کا عملی نمونہ سب کے سامنے پیش کرے بلکہ دنیا کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی کامیابی کی ضمانت ہو اور وہ عملی نمونہ جس سے ہر شخص اپنی اہلیت اور استطاعت کے مطابق بہرہ مند ہو سکے۔ وہ یقیناً دنیا کے بہترین عملی انسان ہیں جن کی تقلید کر کے ہم دنیا اور آخرت کی ساری کامیابیاں سمیٹ سکتے ہیں اور اپنے اللہ کے حضور سرخرو ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: ”بے شک تمھارے لیے رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔“

....

اقتباس: ہم چلتے پھرتے بھی ہیں، اٹھتے بیٹھتے بھی، کھاتے پیتے بھی ہیں، سوتے جاگتے بھی، ہنستے بھی ہیں روتے بھی، پہنتے بھی ہیں اتارتے بھی، سیکھتے بھی ہیں سکھاتے بھی، مرتے بھی ہیں مارتے بھی، کھاتے بھی ہیں اور کھلاتے بھی، احسان لیتے بھی ہیں اور کرتے بھی ہیں، اپنی جان دیتے بھی ہیں اور بچاتے بھی، عبادت و دعا بھی کرتے ہیں اور کاروبار بھی، مہمان بھی بنتے ہیں اور میزبان بھی۔ ہمیں ان تمام امور جو ہمارے افعالِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں، کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ہے جو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی ہدایت کا سبق اور نئی رہنمائی کا درس دے۔

(بورڈ 2022)

حوالہ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اسوۂ حسنہ ﷺ **مصنف کا نام:** سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: زیرِ تشریح اقتباس میں مصنف رسول کریم ﷺ کے اسوۂ کامل پر روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی سیرتِ طیبہ تمام افعال جسمانی کے لیے رشد و ہدایت کا منبع ہے۔ ہم انسان مختلف جسمانی حالتوں میں مختلف اوقات میں ہوتے ہیں۔ مختلف جذباتی کیفیات میں ہوتے ہیں۔ مختلف امور سرانجام دیتے ہیں۔ ان تمام امور کے لیے ہمیں عملی نمونے کی ضرورت ہے جو سیرت طیبہ میں ہے۔ ہم مختلف جسمانی حالتوں میں کبھی سوتے ہیں کبھی جاگتے ہیں۔ کبھی قیام کرتے ہیں کبھی سفر کرتے ہیں۔ کبھی چلتے پھرتے ہیں کبھی آرام کرتے ہیں۔ کبھی اٹھتے ہیں کبھی بیٹھے ہیں۔ کبھی کھاتے ہیں۔ کبھی پیتے ہیں۔ کبھی پہنتے ہیں۔ کبھی اتارتے ہیں۔ خود علم حاصل کرتے ہیں اور دوسروں کو تعلیم دیتے ہیں راہ حق میں جہاد بھی کرتے ہیں۔ مہمان نوازی کرتے ہیں اور مہمان بھی بنتے ہیں۔ کسی سے مدد لیتے ہیں اور مدد کرتے بھی ہیں۔ خوشی ملے تو ہنستے ہیں اور غم ملے تو روتے بھی ہیں۔ خدائے واحد کی عبادت و ریاضت بھی کرتے ہیں اور تجارت بھی کرتے ہیں۔ ان تمام امور کو بہترین انداز میں کیسے سرانجام دیا جائے۔ کس طرح کا طرزِ عمل اپنایا جائے کہ لائقِ تحسین بھی ہو اور منظور خدا بھی ہو۔ اس کے لیے عملی نمونے کی ضرورت ہے جو نبی اکرم ﷺ کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ذات میں موجود ہے۔ جو کوئی ان کی پیروی کرے گا کامیاب ہوگا۔ ''اور تم سب کے لیے رسول ﷺ کی زندگی میں کامل نمونہ موجود ہے''

انسان ہمیشہ ایک ہی جسمانی حالت میں نہیں رہتا۔ وہ مختلف جسمانی کیفیات سے دوچار ہوتا ہے۔ اسے اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا، رونا، ہنسنا، سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ان افعالِ جسمانی میں کیا طریقہ اپنایا جائے۔ کس طرح یہ سب عوامل سرانجام دیے جائیں اس کے لیے عملی تربیت و ہدایت کی ضرورت ہے۔ یہ سب راہنمائی رسول اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں موجود ہے۔ جو پیروی کرے گا سنور جائے گا۔

مندرجہ بالا تمام امور جو ہمارے مختلف افعالِ جسمانی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے لیے ہمیں عملی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے جو ہر نئی حالت کے پیش آنے میں ایک نئی راہنمائی کا درس دے۔ انسان جو عمل بھی کرتا ہے اگر سیکھ کر کسی کامل نمونے کی پیروی سے سرانجام دے تو بہترین ہوتا ہے۔ کوئی انسان دنیا میں اپنے ساتھ یہ تجربات لے کر نہیں آتا۔ وہ دنیا میں ہی سیکھتا ہے۔ اللہ نے انسانوں کی اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے پیغمبر علیہم السلام بھیجے۔ نبی اکرم ﷺ آخری نبی ہیں۔ آپ ﷺ کی ذات میں زندگی کے ہر شعبے کے ہر فرد کے لیے کامل راہنمائی کا خزینہ موجود ہے۔ ہمیں مختلف جسمانی حالتوں میں کس طرح کا طرزِ عمل اپنانا چاہیے۔ اس کے لیے بہترین درس نبی ﷺ کی سیرت میں ہے۔ کیوں کہ آپ اخلاق کے اعلیٰ ترین درجے پہ فائز ہیں۔ آپ قرآن کی عملی تصویر و تفسیر ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دریافت کیا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کیسے تھے تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا ''کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ جو کچھ قرآن میں ہے وہ آپ کے اخلاق تھے۔

کثیر الانتخابی سوالات۔

-1 سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے:

(A) 1874ء (B) 1884ء (C) 1894ء (D) 1904ء

-2 سبق اسوۂ حسنہ ﷺ لیا گیا ہے:

(A) خطباتِ لاہور سے (B) رحمۃ للعالمین ﷺ سے (C) خطباتِ مدراس سے (D) اسوۂ حسنہ ﷺ سے

-3 سنت کے لغوی معنی ہیں:

(A) طریقہ (B) راستہ (C) اندازہ (D) خبر

-4 آپ ﷺ کا عملی نمونہ جس کی تصاویر بہ صورت الفاظ درج ہیں:

(A) قرآن میں (B) احادیث میں (C) تاریخ میں (D) کتاب میں

-5 ایک مسلمان کی کامیابی اور تکمیلِ روحانی کے لیے ضروری ہے:

(A) قرآن (B) اسلاف (C) سنتِ نبوی ﷺ (D) اسوۂ انبیا

-6 اس دنیا کی بنیاد ہے:

(A) ذاتی عمل پر (B) اختلافِ عمل پر (C) جذبات پر (D) سنتِ نبوی ﷺ پر

-7 یہ دنیا چل رہی ہے:

(A) باہمی تعاون سے (B) باہمی اتحاد سے (C) باہمی انتشار سے (D) بڑی حکومتوں سے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

8- آپ ﷺ کی زندگی مختلف مناظر کا:

(A) آئینہ ہے (B) گلدستہ ہے (C) تحفہ ہے (D) معجزہ ہے

9- اخلاقِ فاضلہ کا تمام تر انحصار ہے:

(A) جذبات کے اعتدال اور باقاعدگی پر (B) افعالِ جسمانی کے اعتدال اور باقاعدگی پر

(C) جذبات کی باقاعدگی پر (D) اختلافِ عمل پر

10- بحرین کے خزینہ دار کی تقلید کرو اگر تم ہو:

(A) بادشاہ (B) امیر (C) حاکم (D) دولت مند

11- مدنیہ کے مہمان کی کیفیت سنو اگر:

(A) امیر ہو (B) غریب ہو (C) دولت مند ہو (D) اُستاد ہو۔

12- سلطانِ عرب کا حال پڑھو اگر ہو:

(A) سردار (B) بادشاہ (C) حاکم (D) سالار

13- قریش کے محکوم کو ایک نظر دیکھو اگر ہو:

(A) شاگرد (B) غلام (C) رعایا (D) قوم

14- روح الامین کے سامنے بیٹھنے والے پر نظر جماؤ اگر:

(A) اُستاد ہو (B) شاگرد ہو (C) مسلمان ہو (D) رعایا ہو۔

15- سفری کاروبار والے کے لیے زندگی مثال ہے:

(A) مکے کے سالار کی (B) بصرے کے سالار کی (C) مدینے کے سالار کی (D) شام کے سالار کی

16- حجرِ اسود نصب کیا جا رہا تھا:

(A) مسجد نبوی میں (B) کعبے کے کونے میں (C) آپ ﷺ کے گھر میں (D) مسجد قبا میں

17- آپ ﷺ کا وجود مبارک ایک آفتاب تھا: (بورڈ 2017ء)

(A) عالم تاب (B) عالم چاند (C) عالم نور (D) عالم روشن

18- آپ ﷺ کا فیضانِ حق سب میں تقسیم ہو رہا تھا:

(A) یکساں (B) غیر مساوی (C) برابر (D) الف، ج دونوں

19- فاتحِ مکہ کا نظارہ کرو اگر تم:

(A) دشمنوں اور مخالفوں کو شکست دے چکے ہو (B) دشمنوں کو کم زور بنا چکے ہو

(ج) مخالفوں کو زیر بنا چکے ہو (D) دشمنوں کو زیر اور مخالفوں کو کم زور بنا چکے ہو

20- کتاب سے مراد ہے:

(A) قرآن/خدا کے احکام (B) حدیث (C) آبِ حیات (D) سرمایۂ اردو

www.pakcity.org www.pakcity.org

21- خدا کی محبت کا اہل اور اس کے پیار کا مستحق بننے کے لیے اسلام نے:

(A) احکام الٰہی سب کے سامنے رکھ دیے ہیں (B) انبیا کی حیات سب کے سامنے رکھ دی ہے

(ج) اپنے پیغمبر کا عملی نمونہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے (D) خلفائے راشدین کا اسوہ سب کے سامنے رکھ دیا ہے

22- اگر تمھیں خدا کی محبت کا دعویٰ ہے آؤ میری پیروی کرو اللہ بھی تم سے کرے گا:

(A) پیار (B) محبت (C) وفا (D) خلوص

23- اسلام میں کتنی چیزیں ہیں؟

(A) تین (B) دو (C) چار (D) پانچ

24۔ خدا کی محبت کا اہل بننے کے لیے دیگر مذاہب نے عمل ضروری قرار دیا:

(A) بانی کی نصیحت پر (B) عملی مجسمے کی پیروی پر (C) کتاب پر (D) سنت پر

25۔ اگر تم استاد اور معلم ہو تو دیکھو: (بورڈ 2016ء)

(A) معرکۂ احد کو (B) قریش کے محکوم کو (C) فاتح مکہ کو (D) صُفّہ کی درس گاہ کے معلم کو

26۔ سیرتِ طیبہ میں کس کے لیے نصیحت پذیری ہے: (بورڈ 2018ء)

(A) معلموں کے لیے (B) واعظوں کے لیے (C) ہر طبقے کے لیے (D) غریبوں کے لیے

27- سبق اسوۂ حسنہ ﷺ کے مصنف کا نام ہے:

(A) سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (B) شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ (C) سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (D) الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

28۔ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے:

(A) 1943ء (B) 1953ء (C) 1963ء (D) 1973ء

جوابات

B	-6	C	-5	B	-4	B	-3	C	-2	B	-1
B	-12	B	-11	D	10	A	-9	B	-8	A	-7
D	-18	A	17	B	-16	B	-15	B	-14	C	-13
A	-24	B	23	B	-22	C	-21	A	20	D	-19
				B	-28	C	-27	C	-26	D	-25

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

02

اپنی مدد آپ

(سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ)

مشکل الفاظ و تراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
آزمودہ	آزمایا ہوا، تجربہ سے ثابت شدہ، مجرّب
مقولہ	قول، کہاوت، بامعنی اور خردمندانہ جملہ
پنسال	ڈھلوان مراد ہے، سکیل، پانی کی گہرائی ماپنے کا پیمانہ، سبیل
اکھڑ	غیر شائستہ، غیر مہذب، بدسلیقہ
شغل اشغال	مشاغل، کام
حاشا وکلّا	ہرگز نہیں، بالکل نہیں، حرف انکار
فانوس خیال	بے بنیاد، فرضی چیز، خیالی بات
کاغذی فانوس	وہ فانوس جس کے کاغذ پر بنی ہوئی تصویروں کا عکس دیوار پر پڑتا اور تصویریں حرکت کرتی محسوس ہوتیں
خضر	راہ نما، پیغمبرؑ جن کے بارے میں روایت ہے کہ انھیں پانیوں پر حکومت دی گئی ہے اور بھٹکے ہوئے لوگوں کی راہ نمائی کرتے ہیں۔
ولیم ڈراگن	آئرلینڈ کا مفکر و فلسفی
ڈبلن	آئرلینڈ کا دارالحکومت ہے
دست کاری	ہاتھ سے بنے ہوئے شاہکار/اشیا
ہادی	ہدایت دینے والا، راہ نما
پُرکھوں	آباؤ اجداد، اسلاف
پشتوں	نسلوں
مثل سرگنج	خزانے پر سانپ، اس کنجوس کے متعلق کہا جاتا ہے جس کے پاس دولت یا علم تو ہو مگر خرچ نہ کرے اور کسی کو نہ دے۔
مسکین	اسلامی اصطلاح میں وہ شخص جو بنیادی ضرورتوں سے محروم ہو یا اتنا مال نہ ہو کہ زکوٰۃ واجب آئے۔ مفلس، نادار
تعلیم نفسی	انسانی شخصیت کی خوبیوں کو جاننے کی تعلیم

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2007,08,10,11,19,22)

سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مصلحِ قوم، نثر نگار اور ماہرِ تعلیم تھے۔ سبق اپنی مدد آپ ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں اپنی مدد آپ کے تحت انفرادی اور قومی زندگی سنوارنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

''خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں''۔ یہ ایک آزمایا ہوا بہترین مقولہ ہے۔ اس چھوٹے سے جملے میں انسانوں، قوموں اور نسلوں کا تجربہ جمع ہے۔ کسی انسان کی ترقی کی بنیاد درحقیقت اپنی مدد آپ پر ہے اور جب یہی جذبہ بہت سارے لوگوں میں پایا جائے تو قومی ترقی، طاقت اور مضبوطی کی بنیاد بن جاتا ہے جب کہ کسی گروہ یا شخص کے لیے کچھ کیا جائے تو اس میں اپنی مدد آپ کرنے کا جوش کم ہو جاتا ہے بلکہ اپنی مدد آپ کی ضرورت بھی اس کے دل سے مٹتی جاتی ہے اور نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کے اندر اس کی سب سے قیمتی چیز غیرت ختم ہو جاتی ہے۔ غور کیا جائے تو انسان کی اصل چمک دمک اس کی عزت ہے اور جب پوری قوم اس خوبی سے محروم ہو جائے تو وہ دوسری قوموں کی نظر میں ذلیل اور بے عزت ہو جاتی ہے۔ فطرت کا اصول ہے کہ جیسا مجموعہ قوم کے چال چلن کا ہوتا ہے اس کے عین مطابق اس کے قانون اور حکومت ہوتی ہے۔ چناں چہ جاہل رعایا پر اکھڑ حکومت کرنی پڑتی ہے۔

تمام تجربوں سے ثابت ہوا ہے کہ کسی ملک کی خوبی اور بہتری کا انحصار اس کی حکومت پر نہیں بلکہ رعایا کے چال چلن، اخلاق، عادات، تہذیب اور شائستگی پر ہے۔ اس لیے کہ قوم شخصی حالتوں کا مجموعہ ہے اور اس قوم کی تہذیب درحقیقت ان مردوں، عورتوں اور بچوں کی شخصی ترقی ہے جن سے وہ قوم بنی ہے۔

قومی ترقی شخصی محنت، شخصی عزت، شخصی ایمان داری اور شخصی ہمدردی کا مجموعہ ہوتی ہے۔ اسی طرح قومی تنزل شخصی سستی، شخصی بے عزتی، شخصی بے ایمانی اور شخصی خودغرضی کا مجموعہ ہوتا ہے۔ ناتہذیبی جو معاشرتی برائی ہے درحقیقت کسی شخص کی اپنی آوارہ زندگی کا نتیجہ ہے۔ اگر ہم چاہیں کہ کسی برائی کو دبانے سے ختم کر ڈالیں تو یہ ناممکن ہے۔ اس طرح وہ برائی کسی اور صورت میں کسی اور جگہ نمودار ہو جائے گی۔ اس کا حل یہ ہے کہ شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کی حالتوں کو ترقی دی جائے۔ اگر آپ اپنی قوم کے سچے ہمدرد اور خیرخواہ ہیں تو غور کیجیے کہ آپ کی قوم کی شخصی زندگی اور چال چلن کس طرح اچھا ہو سکتا ہے؟ تاکہ وہ ایک معزز قوم بن جائے۔ جب کوئی شخص اور قوم خود اپنی اصلاح کر سکتی ہے تو اس امید پر بیٹھے رہنا کہ کوئی اور شخص یا قوم ہماری مدد کرے اور ہماری اصلاح کر دے، خام خیالی ہے۔ جو قومیں اندرونی طور پر غلام ہوتی ہیں، کسی انتظامی اصلاح کے ذریعے انھیں درست نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے کہ بیرونی انتظامی تبدیلیاں محض فانوسِ خیال ثابت ہوتی ہیں۔

ہم اس آس پر بیٹھے رہتے ہیں کہ کوئی خضر ملے۔ حالاں کہ اس طرح سوچنا قوت کی پرستش ہے اور اس کے نتائج انسان کو حقیر بنا دیتے ہیں۔ یہ رویہ آدمی کو انسان پرست بنا دیتا ہے اور اس کی دلی آزادی برباد ہو جاتی ہے۔ بہترین اصول یہ ہے کہ دنیا کی تمام معزز قوموں نے اپنی مدد آپ پر عمل کر کے عزت پائی ہے۔ جب ہم اس حقیقت کی اہمیت کو سمجھنے لگیں گے تو دوسروں کی مدد اور بھروسے پر انحصار کرنا بالکل چھوڑ دیں گے۔ انتظامی سختی اور قوانین میں تبدیلی کے ذریعے بہتری کی امید لگانا بھی ایک غلط رویہ ہے۔ درست راستہ یہ ہے کہ جس کے بارے میں آئرلینڈ کے خیر خواہ ولیم ڈراگن نے اشارہ کیا تھا۔ اس نے کہا تھا کہ استقلال اور محنت کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے اور ہماری آزادی کا انحصار خود ہماری جدوجہد پر ہے۔ انسانی تاریخ پر نظر دوڑانے سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ نسل در نسل انسانی تجربات کے بعد موجودہ ترقی اور کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اس لیے گزشتہ نسلوں کے تجربات سے نہ صرف فائدہ اٹھانا ضروری ہے بلکہ خود بھی اپنے علم اور ہنر کے ذریعے اس میں اضافہ لازم ہے۔ زبانی تلقین کا وہ اثر نہیں ہوتا جو عملی مثال کا ہوتا ہے۔ اس لیے شخصی چال چلن میں یہ طاقت ہے کہ وہ دوسروں کی زندگی میں آہستہ آہستہ سرایت کر جاتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی سے عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہ انسان کو اپنی عاقبت سنوارنے کے قابل بنا دیتا ہے۔ یہ وہ علم ہے جو کتابوں سے نہیں سیکھا جا سکتا بلکہ مشاہدے سے حاصل ہوتا ہے۔ یوں سوانح عمریاں وہ اثر نہیں کر سکتیں جو عمدہ چال چلن سے ہو سکتا ہے اور یہی عملی تعلیم

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

انسان کو معزز بناتی ہے۔

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''بڑا سچا مسئلہ اور نہایت مضبوط جس سے زیادہ دنیا کی معزز قوموں نے عزت پائی ہے وہ اپنی آپ مدد کرنا ہے۔ جس وقت لوگ اس کو اچھی طرح سمجھیں گے اور کام میں لاویں گے تو پھر خضر کو ڈھونڈنا بھول جاویں گے۔ اوروں پر بھروسے اور اپنی مدد آپ، یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے بالکل مخالف ہیں۔ پچھلا انسان کی بدیوں کو برباد کرتا ہے اور پہلا خود انسان کو''

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اپنی مدد آپ **مصنف کا نام:** سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق: انفرادی اور اجتماعی ترقی کی بنیاد ''اپنی مدد آپ'' کے اصول پر قائم ہے۔ اگر کوئی شخص یا قوم دوسروں کی مدد کی امید پر بیٹھی رہے تو ہمیشہ ذلیل ورسوا ہوتی ہے۔ قانون قدرت ہے کہ جیسی عوام ویسی حکومت ہوتی ہے۔ قومی ترقی شخصی خوبیوں اور قومی تنزل شخصی خامیوں کا مجموعہ ہے۔ لہٰذا قوم سے ہمدردی کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی شخصی اصلاح پر توجہ دیں۔ اصل غلام وہ ہے جو بداخلاقی اور خودغرضی کا غلام اور قومی ہمدردی سے بے پروا ہے۔ ولیم ڈراگن کے مطابق دنیا کی ترقی یافتہ قوموں نے محنت اور استقلال کی بدولت ہی عزت حاصل کی۔ قومیں نسل در نسل محنت کی بنیاد پر آگے بڑھتی ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اس ترقی میں مزید اضافہ کریں اور ترقی یافتہ حالت میں آئندہ نسلوں کے حوالے کریں۔ انفرادی کردار کا دوسروں پر بہت اثر ہوتا ہے اور یہی وہ عملی تعلیم ہے جو انسان کو قابلِ عزت بناتی ہے۔

تشریح: سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مصلحِ قوم، نثر نگار اور ماہرِ تعلیم تھے۔ سبق اپنی مدد آپ ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں اپنی مدد آپ کے تحت انفرادی اور قومی زندگی سنوارنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ انسان جس حالت میں ہوتا ہے اس میں بہتری چاہتا ہے۔ انسانی ترقی کا راز اسی تلاش و جستجو میں ہے۔ بہتری کی خواہش انسان کو عمل پر اکساتی ہے۔ لیکن انسان کو ملتا وہی کچھ ہے جس کے لیے وہ کوشش کرتا ہے۔ یہ اصول اجتماعی سطح پر بھی اسی طرح صحیح ہے جس طرح انفرادی سطح پر۔ دنیا میں جتنی ترقی یافتہ قومیں موجود رہی ہیں یا اب بھی موجود ہیں ان کی یہ ترقی کسی معجزے کا نتیجہ نہیں بلکہ ان کی ان تھک محنت کا پھل ہے۔ انسانی ترقی کی تاریخ درحقیقت انسانی محنت کی تاریخ ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

''انسان کے لیے وہی کچھ ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔''

ہم دیکھتے ہیں کہ بنی نوع انسان نے شروع میں پہاڑوں کے غاروں اور کھوؤں میں اور جنگلات میں زندگی کا آغاز کیا۔ پتھر کے اوزار بنائے، پھر آگ دریافت ہوئی تو رفتہ رفتہ انسان نے دھاتوں کا استعمال بھی سیکھ لیا۔ کھیتی باڑی کرنا آیا تو انسان بستیاں بسا کر رہنے لگا۔ یوں تہذیب وتمدن کی داغ بیل پڑی اور پھر صنعتی انقلاب نے تو انسانی ترقی کی رفتار کو انتہائی تیز کر دیا۔ لیکن اس ارتقائی عمل میں تاریخ گواہ ہے کہ وہی قومیں عزت ووقار حاصل کر سکیں جو محنت کرنے کی عادی تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ بھی انھیں کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ خود اپنی حالت بدلے۔''

کسی بھی فرد یا قوم کی عزت اور وقار اسی وقت برقرار رہ سکتا ہے جب وہ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے۔ اسے اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے کسی کا محتاج نہ ہونا پڑے، کسی کے سامنے جھکنا نہ پڑے کیوں کہ جب کوئی فرد یا قوم کسی کے سامنے دامن ضرورت پھیلاتی ہے تو اس کا جسم ہی نہیں جھکتا اس کی روح بھی دوسروں کی غلام بن جاتی ہے۔ اس کی عزت، غیرت اور حمیت سب کچھ چھن جاتا ہے۔ سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی قوم پر اپنی مدد آپ کے اصول کی خوبیاں واضح ہو جائیں تو پھر وہ قوم کسی خضر کا انتظار نہیں کرتی۔ کسی غیبی مدد کی آرزو نہیں کرتی۔ وہ کبھی یہ نہیں سوچتی کہ کوئی دوسرا آ کر ان کی مدد کر جائے یا ان کے کام کر جائے۔ کیوں کہ دوسروں پر انحصار کرنا، دوسروں کی مدد پر بھروسا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کر کے بیٹھ جانا انسان کو بے عمل بنا دیتا ہے اور بے عملی ہمیشہ زوال کا سبب بنتی ہے۔ گویا اپنی مدد آپ اور اوروں پر بھروسا کرنا یہ دونوں اصول ایک دوسرے کے برعکس یا مخالف ہیں۔ اگر انسان اپنی مدد آپ کا اصول اپنا لے تو انسان کی خامیاں، اس کے نقائص اور اس کی برائیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ وہ عمل کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتا ہے۔ وہ اپنے قوت بازو پر اعتماد کر کے ناممکن کو ممکن بنانے کی سعی کرتا ہے۔ وہ اپنی خامیوں کو دور کرتا ہے۔ اپنی اصلاح کرتا ہے۔ دوسری طرف اگر انسان دوسروں پر بھروسا کر کے بیٹھ جائے تو تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔

تمہیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے
تمہیں درد کا اپنے درماں کرو گے

زندگی کے ہر لمحے کے ساتھ انسان پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اگر یہ پوری نہ ہوں تو آنے والے وقت میں نئی ذمہ داریاں انسان کو آگھیرتی ہیں یوں بے عمل انسان کے پاس پچھتاوے کے علاوہ کچھ نہیں رہتا۔ علاوہ ازیں دوسروں کی مدد پر انحصار کرنا بتاتا ہے کہ ایسے انسان میں خود اعتمادی کا فقدان ہے۔ اگر قوم کا ہر فرد محنتی ہو، اپنی عزت نفس کا خیال رکھتا ہو، اپنے فرائض دیانت داری سے انجام دیتا ہو، قوم کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتا ہو تو اس کا لازمی نتیجہ ترقی ہوگا۔

.....

اقتباس: ''اے میرے عزیز ہم وطنو! اگر یہ رائے صحیح ہے تو اس کا نتیجہ ہے کہ قوم کی سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی کرو۔ غور کرو کہ تمھاری قوم کی شخصی زندگی اور شخصی چال چلن کس طرح پر عمدہ ہوتا کہ تم بھی ایک معزز قوم ہو۔ کیا جو طریقہ تعلیم و تربیت کا، بات چیت کا وضع و لباس کا، سیر سپاٹے کا، شغل اشغال کا، تمھاری اولاد کے لیے ہے، اس سے ان کی شخصی چال چلن، اخلاق و عادات، نیکی و سچائی میں ترقی ہو سکتی ہے؟ حاشا و کلا''۔

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اپنی مدد آپ **مصنف کا نام:** سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مصلحِ قوم، نثر نگار اور ماہرِ تعلیم تھے۔ سبق اپنی مدد آپ ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں اپنی مدد آپ کے تحت انفرادی اور قومی زندگی سنوارنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے۔ جیسے ماحول میں وہ ہوش سنبھالتا ہے۔ ویسا ہی اس کا کردار بھی تشکیل پاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ اللہ ہی کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے والدین اسے عیسائی، یہودی یا آتش پرست بنا لیتے ہیں۔ ماحول کے ان مٹ اثرات کے حوالے سے سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہم وطنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میرے عزیز ہم وطنو! اگر میری رائے تمھارے نزدیک معتبر اور مقدم ہے تو پھر پوری تن دہی سے قوم کے لیے سچی ہمدردی اور سچی خیر خواہی پیدا کرو۔

سر سید رحمۃ اللہ علیہ ہم وطنوں کو نصیحت کرتے ہیں کہ تم ایک ایسا راستا اختیار کرو جس پر چل کر تم قوم کے لیے بہتر سے بہتر کام کر سکو۔ جس سے شخصی چال چلن اور شخصی زندگی میں عمدگی پیدا ہو سکے۔ اس طرح تم ایک باوقار اور معزز قوم کے افراد کہلوا سکو گے۔ اس لیے بہترین عمل یہ ہے کہ حکومت یا بیرونی کوششوں کی بجائے اپنے اندر ایسی صلاحیتیں اجاگر کرو جو تم سب کے لیے فلاح و ترقی کا ذریعہ بن جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''والدین اولاد کو جو کچھ دیتے ہیں اس میں سب سے بہتر چیز اچھی تعلیم و تربیت ہے۔''

سر سید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا موقف یہ ہے کہ تمھاری اولاد کی بات چیت یا گفتگو کا انداز، تمھاری وضع قطع سب عجیب و غریب ہیں، ان پر نظر ثانی کرو۔ اس تمام صورت حال پر نظر دوڑاؤ اور غور کرو کیا زمانے میں یہ انداز قابلِ ستائش ہے۔ کیا اس صورت حال کو ملاحظہ کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان بچوں کا چال چلن، ان کا اخلاق، ان کی عادتیں حقیقی اور مثبت فکر کی حامل ہیں؟ کیا یہ اندازِ زیست ان کو ترقی کی راہ پر ڈال سکتا ہیں؟ مجھے ان باتوں سے ناامیدی جھلکتی نظر آتی ہے۔ اس طرح ہماری اولادیں دنیا کی مہذب اور شائستہ قوموں کا مقابلہ کر سکیں گی؟ ہرگز ہرگز نہیں، ہمیں وہ انداز

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اختیار کرنا چاہیے جو ہمارے بچوں کے لیے نمونہ بنے اور وہ دنیا کی معزز اور قابل احترام قوموں میں شمار ہوں۔

؎ خدا نے آج تک اُس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

یہاں یہ واضح رہے کہ کسی بھی قوم کے مستقبل کا انحصار نئی نسل پر ہوتا ہے۔ اگر نئی نسل حالات کے تقاضوں کو سمجھنے کے قابل ہو۔ اپنی صلاحیتوں کا صحیح استعمال کر رہی ہو۔ اس کے رجحانات و میلانات مثبت ہوں تو اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ یہ قوم ترقی کی شاہراہ پر گامزن رہتی ہے لیکن اگر صورت حال اس کے برعکس ہو تو پھر بہتری کی امید نہیں رکھی جا سکتی۔ سرسید رحمۃ اللہ علیہ دیکھ رہے تھے کہ برصغیر کے مسلمان اپنی نئی نسل کی صحیح تربیت نہیں کر رہے تو انھوں نے لوگوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کیا کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم زوال کی حالت سے نکلیں تو اپنی اولاد کی تربیت بہتر انداز میں کریں۔ یہ والدین کا مذہبی، اخلاقی اور سماجی فریضہ ہے۔

.....

اقتباس: ''ایک نہایت عاجز اور مسکین غریب آدمی جو اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیز گاری اور بے لگاؤ ایمان داری کی نظیر دکھاتا ہے ہے، اس شخص کا اس کے زمانہ میں اور آئندہ زمانے میں اس کے ملک، اس کی قوم کی بھلائی پر بہت بڑا اثر پیدا ہوتا ہے کیوں کہ اس کی زندگی کا طریقہ اور چال چلن گو معلوم نہیں ہوتا مگر اور شخصوں کی زندگی میں خفیہ خفیہ پھیل جاتا ہے اور آئندہ کی نسل کے لیے ایک عمدہ نظیر بن جاتا ہے''

(بورڈ 2013,16,19)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مصلحِ قوم، نثر نگار اور ماہر تعلیم تھے۔ سبق اپنی مدد آپ ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں اپنی مدد آپ کے تحت انفرادی اور قومی زندگی سنوارنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مضمون کی بنیاد ایک آزمودہ اور بہترین مقولے پر رکھی ہے کہ ''خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔'' لہٰذا اجتماعی سطح پر اگر اس قول کو پیش نظر رکھتے ہوئے محنت اور کوشش کی جائے تو اجتماعی ترقی اور آزادی حاصل ہوتی ہے۔ سرسید رحمۃ اللہ علیہ قوم کو دنیوی ذلت سے بچانا چاہتے تھے اس لیے انھوں نے معاشرتی اصلاح کا بیڑا اُٹھایا یہ مضمون بھی قوم کی اصلاح و فلاح کی تحریک کا حصہ ہے۔ اس دور میں مسلمان زوال پذیر ہو چکے تھے۔ اقتدار، اختیار، عہدے اور مرتبے کھو چکے تھے اور بہت سی مذموم عادتیں ان میں پیدا ہو چکی تھیں۔ چناں چہ سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سماجی برائیوں کے خلاف قلمی کاوشیں کیں۔ اس سلسلے میں ایک غیر معروف اور مفلس شخص کی مثال دیتے ہیں۔ جو اپنے عمل کے ذریعے اپنے ساتھیوں کو محنت اور پرہیز گاری کی تعلیم دیتا ہے۔ حالات کی سنگینی کے ہاتھوں وہ شخص غربت و افلاس میں مبتلا ہوتا ہے۔ لیکن محنت اور پُر خلوص ایمان داری کی بدولت وہ زمانے کے لیے عمدہ مثال بن جاتا ہے۔ اس کے عمل میں مفاد پرستی یا خود غرضی نہیں ہوتی بلکہ خلوص سے قوم کی خدمت کرتا ہے اور اس کے پر خلوص کردار کی بدولت قوم پر بڑا اثر پڑتا ہے کیوں کہ افراد کے مجموعے کا نام قوم ہے۔

؎ بے محنت پیہم کوئی جوہر نہیں کھلتا
روشن شررِ تیشہ سے ہے خانۂ فرہاد

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اس شخص کے کردار اور عمل کا اثر نہ صرف اس کے زمانے پر پڑتا ہے بلکہ آنے والی نسلوں کے لیے بھی وہ عمدہ مثال بن جاتا ہے۔ آج بھی حالات کچھ اسی طرح کے ہیں کہ لوگ ذاتی مفاد کے لیے دوسروں کا نقصان کر دیتے ہیں۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی پروا کیے بغیر ہر وقت حرکت و عمل میں مصروف رہتے ہیں، ان کی زندگی دوسروں کے لیے عمدہ مثال بن جاتی ہے۔ قوموں اور نسلوں کی تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی سطح پر کی جانے والی کوششیں ہی اجتماعی ترقی کا سبب بنتی ہیں اور یہ تعلیم کی عملی صورت ہے۔ جس کی بدولت انسان معزز اور قابلِ ادب ہوتا ہے۔ مقالاتِ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد عام شخص کی زندگی میں تبدیلی لانا تھا کیوں کہ لوگ ایک دوسرے پر انحصار کرنے کو ہی ترقی کا سبب سمجھنے لگے تھے۔ ان حالات میں جو چند لوگ عزت نفس، محنت اور پرہیز گاری کو اپنا شعار بنائے خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے۔ اگرچہ ان کی ذاتی زندگی مشکلات اور مصائب میں مبتلا رہی لیکن ان کے کردار کا اثر آنے والی نسلوں پر پڑا اور دوسرے لوگوں کے لیے وہ عمدہ مثال بن گئے۔

؎ افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارا

.....

اقتباس: ”یہ علم وہ علم ہے جو انسان کو انسان بناتا ہے۔ اسی علم سے عمل، چال چلن، تعلیم نفسی، نفس کشی، شخصی خوبی، قومی مضبوطی، قومی عزت حاصل ہوتی ہے۔ یہی علم وہ علم ہے کہ جو انسان کو اپنے فرائض ادا کرنے اور دوسروں کے حقوق محفوظ رکھنے اور زندگی کے کاروبار کرنے اور اپنی عاقبت کے سنوارنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ اس تعلیم کو آدمی صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ یہ تعلیم کسی درجے کی علمی تحصیل سے حاصل ہوتی ہے۔ مشاہدہ آدمی کی زندگی کو درست اور اس کے علم کو باعمل، یعنی اس کے برتاؤ میں کر دیتا ہے۔ علم کے بہ نسبت عمل اور سوانح عمری کی بہ نسبت عمدہ چال چلن آدمی کو زیادہ تر معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے۔“ (بورڈ 2008)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اپنی مدد آپ

مصنف کا نام: سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق: اس اقتباس کی تشریح کے لیے بھی پیچھے دیا ہوا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ مصلحِ قوم، نثر نگار اور ماہرِ تعلیم تھے۔ سبق اپنی مدد آپ ان کا اصلاحی مضمون ہے جس میں اپنی مدد آپ کے تحت انفرادی اور قومی زندگی سنوارنے کی اہمیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف قوم میں پیدا ہونے والی بنیادی بُرائیوں کی نشان دہی کرتے ہیں بلکہ اُن کا قابلِ عمل حل بھی تجویز فرماتے ہیں تاکہ ان خامیوں اور بُرائیوں کو جڑ سے اُکھاڑا جا سکے۔ اُن کے نزدیک ایک شخص کا ذاتی چال چلن نہ صرف اُس کی اپنی زندگی اور اُس سے براہِ راست یا بالواسطہ دوسرے افراد کو شدید طور پر متاثر کرتا ہے بلکہ سارے کا سارا معاشرہ اس کے مثبت یا منفی اثرات قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ آپ کے نزدیک شخصی چال چلن سے مراد زندگی کے معاملات سے متعلق ہمارا رویہ اور سوچ ہے جن کے مطابق ہم اپنے افعال و اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ یہ وہ اندرونی جذبہ ہے جن سے ہمارے ظاہری افعال اور رویے براہِ راست متاثر ہوتے ہیں۔

شخصی چال چلن ہی وہ بنیادی اور حقیقی علم ہے جو کہ انسان کو انسانیت کی معراج تک پہنچاتا ہے۔ ہر انسانی عمل، اسی علم کے تابع ہوا کرتا ہے۔ یہ علم تعلیم کے بنیادی مقاصد یعنی اپنی اچھائیوں کو اُبھارتا اور برائیوں پر قابو پانے میں ممد و معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہی علم انسانی خواہشات کے بے لگام گھوڑے کو نہ صرف لگام ڈالتا ہے بلکہ اُسے ایک حد سے متجاوز بھی نہیں ہونے دیتا ہے۔

عمل سے انسان میں وہ بنیادی جوہر اور خوبی پیدا ہوتی ہے جو کہ دوسری خوبیوں اور اچھائیوں کی بنیاد ثابت ہوتی ہے۔ اسی علم سے انفرادی اور اجتماعی طور پر قومی مضبوطی عمل میں آتی ہے جس کے نتیجہ میں ایک قوم عالمی برادری میں دوسری قوموں کے نزدیک قابلِ احترام اور قابلِ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تعظیم ٹھہرتی ہے۔اسی علم سے انسان نہ صرف اپنے حقوق وفرائض میں بجاطور پر توازن کو قائم کر پاتا ہے۔ بلکہ اسی علم کے ثمرات کے نتیجہ میں وہ اپنی دنیاوی اور ابدی زندگی میں بھی کامیاب و کامران ٹھہرتا ہے۔ یہ شعور اور علم انسان صرف کتابوں سے نہیں سیکھ سکتا اور نہ ہی مروجہ علوم کے دنیاوی ادارے یہ علم سکھا سکتے ہیں بلکہ یہ علم مضبوط قوت مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک انسان دوسرے انسان کی خصوصیات کو مدِ نظر رکھ کر اپنے عمل اور برتاؤ میں اصلاح اور بہتری لاسکتا ہے۔ مشاہدہ ہی انسان کو درست اور غلط میں تمیز سکھاتا ہے اور اس کے عمل کو مربوط اور متوازن بناتا ہے۔ لہٰذا علم کی نسبت عمل میں وہ قوت موجود ہے جو نہ صرف افراد کی اصلاح کرتی ہے بلکہ پورے کے پورے معاشرے کو صحیح ڈگر پر ڈالنے اور عالمی برادری میں ایک معزز اور قابلِ احترام مقام دلانے کی قوت اور طاقت بھی رکھتا ہے۔ چناں چہ افراد اور اقوام کی ترقی اور تنزلی میں علم سے زیادہ اُن کے انفرادی اور اجتماعی عمل کو دخل حاصل ہے۔

؎ کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی، آدمی بناتے ہیں

کثیر الانتخابی سوالات

-1 سبق ''اپنی مدد آپ'' کے مصنف کا نام ہے:

(A) احمد ندیم قاسمی (B) ابنِ انشا (C) سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (D) غلام عباس

-2 سبق ''اپنی مدد آپ'' لیا گیا ہے:

(A) مقالات سرسید رحمۃ اللہ علیہ جلد اوّل سے (B) مقالات سرسید رحمۃ اللہ علیہ جلد دوم سے
(C) مقالات سرسید رحمۃ اللہ علیہ جلد پنجم سے (D) سرسید رحمۃ اللہ علیہ جلد سوم سے

-3 سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے:

(A) 1807ء (B) 1817ء (C) 1827ء (D) 1837ء

-4 جس قوم میں اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ ختم ہو جائے وہ دوسری قوموں کے نزدیک ہو جاتی ہے:

(A) عزت دار (B) مال دار (C) بے عزت (D) سمجھ دار

-5 قوم مجموعہ ہے:

(A) شخصی حالتوں کا (B) قومی حالتوں کا (C) مجموعی حالتوں کا (D) حکومتی حالتوں کا

-6 جیسا مجموعہ قوم کی چال چلن کا ہوتا ہے اسی کے مناسب حال ہوتی ہے:

(A) رعایا (B) گورنمنٹ (C) سلطنت (D) بادشاہت

-7 بیرونی کوشش سے برائیوں کو ختم کرنے سے وہ کسی نئی صورت میں ہو جاتی ہیں:

(A) پیدا (B) ختم (C) تیز (D) برباد

-8 انسان کی قومی ترقی کی نسبت ہم لوگوں کے یہ خیال ہیں کہ: (بورڈ 2016ء)

(A) خضر ملے (B) رہبر ملے (C) سالار ملے (D) بادشاہ ملے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

9- دولت کی پرستش انسان کو بنا دیتی ہے:
(A) امیر (B) غریب (C) حقیر (D) فقیر

10- دوسروں پر بھروسا برباد کرتا ہے:
(A) انسان کی برائیوں کو (B) انسان کو (C) نیکیوں کو (D) گناہوں کو
(بورڈ 2017ء)

11- ولیم ڈراگن رہنے والا تھا:
(A) آئرلینڈ کا (B) نیوزی لینڈ کا (C) سکاٹ لینڈ کا (D) فن لینڈ کا

12- ولیم ڈراگن کے بقول کامیابی کا بڑا ذریعہ ہے استقلال اور:
(A) دولت (B) علم (C) محنت (D) لگن

13- آدمی کو معزز اور قابلِ ادب بناتا ہے:
(A) دولت (B) علم (C) محنت (D) عمدہ چال چلن

14- قوم کی سچی کرو:
(A) عزت (B) ہمدردی (C) بے عزتی (D) تعریف

15- قوت کی پرستش کا نتیجہ نکلتا ہے:
(A) طاقت ور بنا دیتی ہے (B) حقیر بنا دیتی ہے (C) امیر بنا دیتی ہے (D) غریب بنا دیتی ہے

16- دست کاری کی نمائش ہوئی تھی:
(A) سکاٹ لینڈ (B) نیوزی لینڈ (C) ڈبلن (D) ولایت

17- ایک نسل نے عمارت بنائی دوسری نسل کی:
(A) دولت سے (B) محنت سے (C) تجربہ سے (D) استقامت سے

18- سرسید کے مطابق کون سا عمل انسان کو انسان بناتا ہے؟
(بورڈ 2022ء)
(A) اپنی مدد آپ (B) عملی تعلیم (C) اعلیٰ تعلیم (D) اعلیٰ اخلاق

19- پانی آجاتا ہے
(A) دودھ میں (B) پنسال میں (C) نہر میں (D) دریا میں

20- جاہل و خراب و ناتربیت یافتہ رعایا پر کیسی حکومت کرنی پڑتی ہے:
(A) اچھی (B) اکھڑ (C) جاہل (D) ظالم

21 ''خدا ان کی مدد کرتا ہے جو آپ اپنی مدد کرتے ہیں'' یہ ایک نہایت عمدہ اور آزمودہ:
(A) کہاوت ہے (B) مقولہ ہے (C) ضرب المثل ہے (D) محاورہ ہے

22- ڈبلن میں نمائش تھی:
(A) خطاطی کی (B) سائنس کی (C) اپنی مدد آپ کی (D) دست کاری کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

23۔ انسان کی اصلی چمک دمک ہے:

(A) عزت (B) غیرت (C) اپنی مدد آپ (D) ان میں سے کوئی نہیں

24۔ انسان میں نہایت عمدہ قوت ہے:

(A) عزت (B) غیرت (C) اپنی مدد آپ (D) ان میں سے کوئی نہیں

25۔ اپنی مدد آپ کا تعلق کس صنف سے ہے؟ (بورڈ 2014,15)

(A) آپ بیتی (B) مضمون (C) سوانح (D) خطبہ

26۔ ''اپنی مدد آپ'' ایک آزمودہ۔۔۔۔۔۔ہے۔ (بورڈ 2018ء)

(A) خیال (B) نظریہ (C) تجربہ (D) مقولہ

27- ایک شخص میں اپنی مدد کرنے کا جوش بنیاد ہے:

(A) عزت کی (B) ترقی کی (C) دولت کی (D) حکمرانی کی

28۔ سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے:

(A) 1878ء (B) 1888ء (C) 1898ء (D) 1908ء

جوابات

A	-5	C	-4	B	-3	C	-2	C	-1
B	-10	C	-9	A	-8	A	-7	B	-6
B	-15	B	-14	D	-13	C	-12	A	-11
B	-20	B	-19	B	-18	B	-17	C	-16
B	-25	B	24	A	23	D	-22	B	-21
				C	-28	B	-27	D	-26

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

03

سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اَخلاق وخصائل

(مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
خصائل	خصلت کی جمع، عادات
تلوُّن	ایک حالت میں نہ ہونا، رنگا رنگ
ترکاریاں	سبزیاں
فواکہ	پھل، میوہ جات
جبلت	فطرت
مدرس	معلم، درس دینے والا، استاد
غائر نظر	گہری نظر سے دیکھنا
فیاض	سخی
جفاکشی	مشقت کی عادت
قویٰ	قوت کی جمع، طاقتیں
دائمی	ہمیشہ کی
جودت	عقل کی تیزی، فراست، خردمندی
ہم چشم	ایک جیسا رتبہ یا پیشہ رکھنے والا، دوست
خطباتِ احمدیہ	سر ولیم میور کی کتاب ''لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے اعتراضات کا جواب، یہ کتاب بارہ خطبات پر مشتمل ہے۔
پانی پت	ہندوستان کا مشہور شہر جس کے قریب میدان میں تین بڑی جنگیں ہوئیں۔ 1526ء، 1556ء اور 1761ء۔ یہ الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ کا وطن ہے۔
سائنٹیفک سوسائٹی	انگریزی کتب کے تراجم کرنے کا ادارہ، یہ ادارہ اردو، انگریزی مضامین شائع کرتا اور اخبار بھی نکالتا۔
صدقِ مودّت	سچی دوستی
شاق	صدمہ، گراں، برا، دشوار

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

بدرجہ غایت	جد درجہ، اعلیٰ درجے کا
انسیت	محبت، انس
ناسور	وہ زخم جو ٹھیک نہ ہو۔
سیر چشمی	قناعت
گوشوارہ	حساب کتاب کا چارٹ
اغماض	چشم پوشی کرنا
ملال وکلال	رنج وغم
عرفی	مشہور، عام
موہوم	ہلکی سی، معمولی سی
تن من دھن نثار کرنا	سب کچھ قربان کر دینا
ملکات	صلاحیتیں، سیرتیں، مہارتیں
ذکی الحس	بہت حساس، نازک مزاج
ماندگی	سستی، تھکان
محنت شاقہ	سخت محنت
خس کی ٹٹی	خوش بُودار گھاس سے بنا ہوا پردہ یا چھپر جو کھڑکیوں اور دروازوں کے آگے لگایا جاتا تھا۔
سرشت	عادت، فطرت

خلاصہ: (بورڈ 2008-2011)

مولانا الطاف حسین حالیؒ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسیدؒ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خانؒ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

سرسید احمد خانؒ کے دستر خوان پر دوست اور مہمان ہمیشہ موجود ہوتے۔ جس دن کوئی مہمان نہ آتا وہ خوش وخرم دکھائی نہ دیتے اور جس دن زیادہ مہمان آجاتے اُس دن ان کے گھر عید ہوتی۔ اگرچہ کھانوں کی تعداد زیادہ نہیں ہوتی تھی مگر ہمیشہ عمدہ کھانا ہی پکتا اور اگر کبھی عمدہ کھانا نہ ملتا تو بھی خوش ہو کر کھا لیتے سبزیاں اور پھل انھیں بہت پسند تھے خاص طور پر آم اور خربوزے۔ جوانی میں خوراک زیادہ تھی جو بڑھاپے میں کم ہو گئی تھی البتہ ہر کھانے کے بعد پاؤ سیر دودھ بلا ناغہ پیتے تھے۔ سرسید احمد خانؒ فطری طور پر خوش طبع اور ہنس مکھ آدمی تھے۔ تحریر و تقریر دونوں میں ان کی یہ خصوصیت صاف جھلکتی تھی۔ اُن کی شوخی اور ظرافت میں شائستگی اور اعتدال ہر حال میں موجود ہے۔ سرسیدؒ کو مطالعہ کا بے حد شوق تھا۔ وہ اپنے مطالعے کے ذریعے مصنف کے خیالات سے آگاہ ہونا چاہتے تھے۔ کسی کتاب میں کوئی کام کی بات ہوتی تو اُس پر پنسل سے نشان لگا دیتے اور کسی اخبار میں کوئی اُن کے کام کا مضمون ہوتا تو اسے کاٹ کر اپنی فائل میں چسپاں کر دیتے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

وہ خطوں کے جواب ضرور دیتے تھے اور اُس میں تاخیر نہیں کرتے تھے۔ اس معاملے میں وہ دوستوں کے ساتھ ساتھ چھوٹوں کا بھی اتنا ہی خیال رکھتے۔ محنت اور جفاکشی سرسیدؒ کے خاص اوصاف ہیں۔ وہ فطری طور پر جفاکش آدمی تھے کسی کام سے ہمت نہ ہارتے اور کسی مشکل سے نہ گھبراتے۔ سرسیدؒ غیر معمولی طور پر محنتی تھے ان کی ذہانت ان کے دائمی غور و فکر کا نتیجہ تھی حالاں کہ وہ بچپن میں عام بچوں کی طرح تھے۔ اُن کی ذہانت کا راز یہ ہے کہ انھوں نے قدرت کی طرف سے عطا کیے گئے حافظہ سے خوب خوب کام لیا۔ خطباتِ احمدیہ لکھنے میں انھوں نے اس قدر مشقت کی کہ پاؤں میں مرض پیدا ہو گیا جو تمام عمر ان کے ساتھ رہا۔ سائینٹیفک سوسائٹی کی عمارت بنواتے ہوئے وہ سخت گرمی اور دھوپ میں کھڑے رہتے۔ سرسیدؒ دوستوں کے ساتھ بہت خوش رہتے تھے یہی زندہ دلی تھی جو تھکن اور ملال کو قریب نہ آنے دیتی۔ اُن کے ملازم تک اُن سے بے تکلف تھے۔ بچے جو عام طور پر بوڑھوں سے دور بھاگتے ہیں سرسید کے پاس خوش رہتے تھے۔

سرسید احمد خانؒ کی ایک اہم خصوصیت اُن کی راست بازی تھی وہ بے حد مخلص اور سچے آدمی تھے اُن کی یہ صفت اُن کی تحریروں میں دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنے عمل سے یہ درس دیا کہ سچ بات کہنے میں کسی کی ملامت سے ہرگز نہ گھبرائیں اور اس بات کا بھی خیال نہ کریں کہ کوئی آپ سے متفق ہے یا نہیں۔ سرسیدؒ چوں کہ خود راست باز تھے اس لیے وہ دوسرے راست بازوں کی بھی قدر کرتے تھے۔ سرسیدؒ کو اپنے خاندان سے بے حد محبت تھی وہ اپنے بھائی کی موت کا صدمہ زندگی بھر نہ بھلا سکے۔ اسی طرح وہ اپنی والدہ کے بھی بے حد فرماں بردار تھے۔ سرسیدؒ کو دہلی سے بہت زیادہ اُنس تھا اور دلّی کے اجڑنے کا صدمہ ان کے لیے روگ بن گیا تھا غور سے دیکھا جائے تو یہ ان کی اپنی قوم سے ہمدردی اور بھلائی تھی۔

نواب محسن الملک سرسیدؒ سے بے حد متاثر تھے اور ان کا ذکر ہمیشہ محبت اور عقیدت سے کرتے تھے۔ کوئی شخص اگر ایک مرتبہ سرسیدؒ سے وابستہ ہو جاتا تو ہمیشہ کے لیے انھی کا ہو رہتا۔ سرسیدؒ بڑے فراخ دل اور فیاض تھے جو کچھ کمایا ملک و قوم کی بھلائی اور مذہب کی حمایت میں خرچ کر دیا۔ وہ ایک ایسے درخت کی مانند تھے جو اپنے پھل، سائے اور لکڑی سے مخلوق کے کام آتا ہے۔ گھریلو اخراجات میں بھی وہ حساب کتاب کے قائل نہیں تھے۔ سرسیدؒ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا وہ فطری طور پر عالی ظرف اور عالی حوصلہ تھے ان کی والدہ نے ان کی بڑی اچھی تربیت کی تھی۔ ان کی والدہ نے ان کے دل میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ انتقام لینا خود اپنے آپ کو بُروں جیسا بنا لینا ہے۔ انتقام لینا ایسا ہی ضروری ہو تو قادرِ مطلق پر چھوڑ دینا چاہیے کہ اللہ سب سے بہترین انصاف کرنے والا ہے۔ سرسیدؒ کو مسلمانوں کی ترقی بہت زیادہ عزیز تھی اور اسی لیے وہ حاکمانِ وقت سے ملتے رہے لیکن حقیقت میں وہ دنیاداری سے ہمیشہ دور رہے۔ سرسید احمد خانؒ نے اپنے اوپر جن فرائض کو لازم قرار دے لیا تھا اس کے علاوہ وہ کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے۔ اگرچہ سرسیدؒ بعض اوقات نجی محفلوں میں اپنی قوم کی طرف سے کسی قدر مایوسی کا اظہار بھی کرتے تھے لیکن مسلمانوں کی ترقی کے لیے ان کی کوششوں میں پھر بھی کمی نہیں آئی۔ اپنی قوم کو دنیاوی ذلت سے نکالنے کے لیے سرسیدؒ نے اپنا تن من دھن سب قوم پر قربان کر دیا۔ (حیاتِ جاوید)

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''اپنے وطن کے ساتھ ہر شخص کو عموماً الفت و موانست ہوتی ہے۔ مگر سرسیدؒ کی محبت اپنے وطن کے ساتھ عجیب طرح کی تھی۔ گو بظاہر سرسیدؒ نے دِلی ہمیشہ کے لیے چھوڑ دی تھی۔ ان کے آرٹیکلوں میں یا اسپیچوں اور لیکچروں میں یا پرائیویٹ خطوں میں جہاں کہیں دلی کا ذکر آ گیا ہے ان کا دل اُمڈے بغیر نہیں رہا۔ اگر غور کر کے دیکھا جائے تو سرسیدؒ کے دل میں قوم کی بھلائی کا خیال اور قومی ہمدردی کا جوش زیادہ تر دلی ہی کی تباہی اور بربادی نے پیدا کیا۔ سرسیدؒ جیسے ذکی الحس آدمی کے لیے یہ انقلاب ایک تازیانہ تھا۔ دلی کا سناٹا دیکھ کر ایسی چوٹ ان کے دل پر لگی جو رفتہ رفتہ اور آخر کار ناسور بن گئی۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق:

سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ بڑے مہمان نواز تھے۔ مزاجاً وہ خوش طبع اور ہنس مکھ تھے۔ انھیں بچپن ہی سے مطالعے کی عادت تھی۔ وہ خطوں کا جواب دینے میں فیاض تھے۔ وہ محنتی اور جفاکش تھے۔ وہ دوستوں کو اپنی زندگی کا لازمی عنصر سمجھتے تھے۔ بچوں پر شفیق اور مزاجاً زندہ دل تھے۔ وہ راست بازی کو اپنا دین و ایمان سمجھتے تھے۔ انھیں اپنے وطن سے، اپنے خاندان کے افراد سے، اپنے دوستوں سے اور اپنے لگے بندھوں سے بڑی محبت تھی۔ وہ غریبوں کے ہمدرد تھے۔ وہ انتہائی عالی ظرف تھے اور دشمنوں کو معاف کر دیا کرتے تھے۔ وہ ایسے شخص تھے جو ایک معمولی اُمید پر کہ شاید قوم دنیوی ذلت سے نکلے، اپنا دھن، تن، من سب قوم پر قربان کر گئے۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ اپنی جائے ولادت، جنم بھومی، گھر، شہر اور اپنے ملک سے محبت اور الفت کا جذبہ ہر ذی روح میں فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ ایک درخت کو کسی جگہ سے اکھاڑ کر نئی جگہ لگا دیا جائے تو عارضی طور پر وہ بھی مرجھا جاتا ہے۔ سرد علاقوں میں رہنے والے پرندے برفانی موسم میں ہزاروں میل کا فاصلہ طے کر کے میدانی علاقوں میں آ جاتے ہیں لیکن جوں ہی موسم سازگار ہوتا ہے واپس اپنی سرزمین پر پلٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کیسی ہی عمدہ، خوب صورت اور حسین سرزمین پر چلا جائے اپنے وطن کی یاد ضرور ستاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ختمی مرتبت مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ تشریف لے جا رہے تھے تو پلٹ پلٹ کر دیکھتے اور یہ کہتے کہ ارض مکہ تجھ سے بچھڑنے کا مجھے بڑا دکھ ہے لیکن مکے والے اب مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔ اپنی سرزمین سے محبت کا جذبہ سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ میں دلی کے حوالے سے کچھ زیادہ ہی جذباتی نوعیت کا تھا۔ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تصانیف میں ''آثار الصنادید'' شامل ہے۔ جس میں سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے دلی کی اہم عمارات، اہم شخصیات اور اہم واقعات کو جمع کیا ہے۔ جو ان کی دہلی سے محبت کا منھ بولتا ثبوت ہے یہ جذباتی کیفیت 1857ء میں دلی کی تباہی اور بربادی ہی نے ان کے دل میں پیدا کی تھی۔ 1857ء کی ناکام جنگ آزادی کے اختتام پر انگریزوں نے مسلمانوں کو بدترین انتقام کا نشانہ بنایا۔

مغل حکومت کے خاتمے کے ساتھ ہی آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو قید کر کے رنگون بھیج دیا گیا۔ شاہی خاندان کے تمام افراد کو تہِ تیغ کرنے پر کمر کس لی گئی۔ شہزادوں کو چن چن کر مارا گیا، شہزادیوں کو رسوا کیا گیا۔ امرا کی تذلیل کی گئی، معیشت تباہ ہو گئی، جاگیریں چھین لی گئیں، دکانیں قبضے میں لے لی گئیں، مسلمان مفلس اور بے آسرا ہو گئے۔ لوگوں کو طرح طرح کی سزائیں دی جانے لگیں، سزائے موت کا شکار عموماً مسلمان ہی ہو رہے تھے۔ ہر ایک کو جان کے لالے پڑے تھے اور تباہی و بربادی کا راج تھا۔

ان حالات میں ہر صاحبِ دل خون کے آنسو بہا رہا تھا اور سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ جو صاحبِ دل ادیب تھے، قوم کے سچے ہمدرد اور خیر خواہ تھے، غیر معمولی طور پر حساس تھے۔ ان کے لیے دلی کے یہ حالات اور حکومت کی تبدیلی حبِ الوطنی میں شدت کا محرک بنی۔ انھیں ہندوستان اور خصوصاً دلی سے بے حد محبت تھی اور اس محبت کا اظہار ان کی تحریروں، مضامین، تقاریر اور خطبات کے علاوہ نجی خطوط میں بھی والہانہ انداز سے ہوا ہے۔ اصل میں دلی صرف ان کا شہر نہ تھا بلکہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی ہزار سالہ حکومت کا ثمر تھا۔ یہ شہر مسلم تہذیب کا شاہکار تھا۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دلی کی تباہی سے ان کے دل پر ایک شدید صدمہ اور چوٹ لگی اور اسے انھوں نے مستقل روگ بنالیا۔ اس کے بعد ہی انھوں نے اپنے شب و روز ہم وطنوں کے لیے وقف کر دیے۔ ملک بھر کے دورے کیے، سائینٹیفک سوسائٹی کی بنیاد رکھی، اصلاحی تحریک شروع کی۔ ادبی، سماجی، سیاسی اور دینی شعبوں میں قوم کی درستی کے لیے مضامین کا سلسلہ شروع کیا۔ تہذیب الاخلاق جیسا اصلاحی رسالہ جاری کیا۔ تحریکِ علی گڑھ درحقیقت سرسید احمد خانؒ کی وطن سے موانست، محبت اور الفت ہی کا نتیجہ ہے۔ چناں چہ سرسید خانؒ کے عملی اقدامات کے علاوہ ان کی تقریر و تحریر سے بھی دلی اور وطن سے محبت کا جذبہ خوب امڈ رہا ہے۔ سرسیدؒ نے ایک جگہ مسلمانوں کی تباہی کے حوالے سے لکھا تھا:

''کوئی بلا آسمان سے ایسی نہیں اتری جس نے زمین پر پہنچنے سے پہلے کسی مسلمان کا گھر نہ ڈھونڈا ہو۔''

سچ یہ ہے کہ سرسید احمد خانؒ جیسے حساس اور صاحبِ دل ادیب نے دلی کی تباہی کو جس انداز سے اپنے لیے صدمہ محسوس کیا اس سے کہیں زیادہ انھوں نے اپنے کردار و عمل سے اس احساس کا حق بھی ادا کیا۔ مسلمانوں کی فلاح اور بھلائی کے لیے باقی عمر وقف کر دی اور جب تک زندہ رہے اسی محبت کا حق ادا کرتے رہے۔

.....

اقتباس: دوستوں اور مہمانوں سے ان کا دسترخوان بہت کم خالی ہوتا تھا۔ جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا وہ کھانا کھاتے وقت بشاش نہ ہوتے تھے اور جس دن زیادہ مہمان ہوتے اس دن ان کے گھر عید ہوتی تھی۔ کھانوں میں زیادہ تر تعدد اور تلوّن نہیں ہوتا تھا مگر کھانا عموماً عمدہ ہوتا تھا۔ اگر کسی موقع پر کھانا عمدہ نہیں ملتا تھا تو جیسا مل جاتا تھا خوشی سے، بغیر ناک منہ چڑھائے سیر ہو کر کھا لیتے تھے۔ فصل کی ترکاریاں اور فواکہ خصوصاً آم اور خربوزے نہایت مرغوب تھے۔

(بورڈ 2022)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** سرسیدؒ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؒ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالیؒ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسیدؒ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خانؒ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف سرسید احمد خان کی شخص خوبیوں میں سے مہمان نوازی اور خوش خوراکی پہ روشنی ڈالتے ہوئے کہتے ہیں کہ سرسید بہت مہمان نواز تھے۔ وہ برصغیر کی اہم شخصیت تھے۔ اُن کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ دوست ہندوستان بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ بڑے گھرانے سے تعلق کے سبب واقفیت کا دائرہ وسیع تھا۔ محبت شفقت کی وجہ سے سب ان سے الفت رکھتے تھے۔ ملنے کے لیے آنے والوں کی تعداد وسیع تھی۔ یوں دسترخوان پر اکثر دوست ساتھ شریک ہوتے۔ ایسا بہت کم ہوتا کہ کسی کھانے کے موقع پر مہمان شریک طعام نہ ہوں۔ ان کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ کھانا کھائے بغیر کسی کو جانے نہ دیتے تھے۔ جیب و دل کا دامن وسیع تھا۔ مہمان نوازی سنت رسول ﷺ ہے۔ جس روز کوئی مہمان دسترخوان میں شریک نہ ہوتا سرسید تر و تازہ نہ ہوتے۔ ان کی خوشی مہمان نوازی میں تھی چناں چہ جب مہمان نہ ہوتا تو بشاش نہ ہوتے جس روز زیادہ مہمان آتے اس دن ان کے گھر میں روز عید کا سماں ہوتا جیسے عید کے موقع یہ طرح طرح کے پکوان پکاتے جاتے ہیں۔ کھانوں کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ سب خوشی مناتے ہیں۔ اسی طرح جس دن سرسید کے ہاں مہمان زیادہ ہوتے ان کے گھر میں رونق، کھانے اور خوشی دیدنی ہوتی۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔

مہمان نوازی سرسید کی امتیازی صفات میں سے تھی مہمان کی خاطر مدارت دل و جان سے کرتے البتہ کھانوں کی تعداد میں تلون نہیں تھا۔ مطلب طرح طرح کے پکوان زیادہ تعداد میں نہیں پکاتے جائے تھے۔ یہ نہیں اہتمام کیا جاتا تھا کہ گوشت کے اتنے پکوان ہوں، میٹھے پکوان اتنے ہوں۔ پلاؤ اس اس طرح کے ہوں وغیرہ، بلکہ تعداد کی بجائے معیار دیکھا جاتا۔ کھانے تعداد میں زیادہ نہیں ہوتے تھے لیکن عمدہ ہوتے تھے۔

سرسید کھانے میں پسند ناپسند دیکھ کر نہیں کھاتے تھے۔ پسند کے کھانے تیار کرنے کا اہتمام بھی نہیں کرتے تھے کہ آج یہ یہ پکایا جائے بلکہ جو مل جاتا کھا لیتے۔ اگر کبھی ایسا ہوتا کہ کھانا عمدہ نہ ہو تو جیسا ہوتا بغیر برا منائے ہنسی خوشی کھا لیتے۔ موسمی سبزیاں پسند کرتے تھے موسم گرما میں جو سبزیاں بھنڈی، توری، کدو، کریلے وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ پسند تھے اسی طرح موسم سرما میں گوبھی، مولی، شلجم، گاجر، مٹر، پالک ہوتی ہے وہ بھی پسند تھیں۔ اس طرح پھلوں میں آم بہت پسند تھے۔ آم پھلوں کا بادشاہ کہلاتا ہے۔ لنگڑا، چونسہ، دسہری وغیرہ۔ ان کو پھلوں میں خاص طور پر آم پسند تھے اور خربوزے پسند تھے۔

.....

اقتباس: ''اس جبلی مہر و محبت کا مقتضا تھا کہ وہ پرانے رفیقوں اور نوکروں اور لگے بندھوں کو تا بمقدور عمر بھر اپنے ساتھ نباہنا چاہتے تھے۔ جس شخص کے قدم ان کے ہاں جم گئے پھر نہ وہ اس کے اپنے پاس سے جدا کرنا چاہتے تھے اور نہ وہ ان سے جدا ہونا چاہتا تھا۔ اوّل تو وہ کسی کی شکایت سنتے نہ تھے اور اگر کوئی کسی ملازم کی کوئی شکایت کرتا تھا تو اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ ان کے ایک قدیم ملازم کی لوگوں نے ان سے بارہا شکایت کی مگر وہ کسی طرح ان کے دل سے نہ اترا۔ ہمیشہ ان کا معتمد علیہ اور سفر و حضر میں ان کے ہم راہ رہا اور آخر انھیں کی رفاقت میں مر گیا''

(بورڈ 2013,18)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح:۔ مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ سرسید رحمۃ اللہ علیہ میں مہر و محبت کا مادہ غیر معمولی تھا وہ قدرت کی طرف سے ایک حساس دل لے کر آئے تھے۔ چناں چہ وہ مستحقوں اور غریبوں کی امداد اہلِ خانہ سے محبت، دوستوں سے پر خلوص تعلق اور قومی کاموں میں مصروف رہتے۔ مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ طویل عرصہ اُن کی صحبت میں رہے ان کی شخصیت کا بغور مشاہدہ کیا تب ''حیاتِ جاوید'' لکھی اور ان کی شخصی خوبیوں کو اس مہارت سے اجاگر کیا کہ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی لفظی تصویر نگاہوں کے سامنے بن جاتی ہے۔ دیگر خوبیوں کے ساتھ مہر و محبت کا مادہ سرسید میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا یہی وجہ تھی کہ وہ ان تمام افراد سے دلی محبت کرتے تھے۔ جن کا اُن سے تعلق بن جاتا نواب محسن الملک نے ایک موقع پر سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں نے کسی شخص کی ذات میں اس قدر خوبیاں جمع نہیں دیکھیں۔ ان کی سچی محبت اور خلوص کی وجہ سے جو شخص ان کے ہاں قدم جما لیتا پھر وہ ان سے جدا نہیں ہونا چاہتا تھا اور نہ وہ اُسے جدا کرنا چاہتے تھے۔ وہ اپنے رفیقوں یعنی ساتھیوں، نوکروں اور ان لوگوں سے جن سے روزمرہ معاملات کے سلسلے میں تعلق رہتا تھا۔ ہمیشہ ساتھ نباہنا چاہتے تھے اور اس معاملے میں کسی کی باتوں میں نہیں آتے تھے۔ لوگوں میں یہ عادت ہوتی ہے کہ ایک دوسرے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کے خلاف غیبت، چغلی کر کے نفرت پیدا کرتے ہیں لیکن سرسیدؒ کسی کی باتوں پر کان نہ دھرتے۔ اسلام بھی ہمیں یہی نصیحت کرتا ہے کہ سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔

سرسیدؒ نے جہاں دیگر سماجی بُرائیوں کے خلاف مضامین لکھے وہاں اس برائی کے خلاف عملی اقدامات کیے اُن کا ایک پُرانا ملازم تھا جس کے خلاف لوگوں نے کئی بار شکایت کی لیکن سرسیدؒ نے کسی کی بات پر کان نہ دھرا بلکہ اس ملازم پر وہ بھرپور اعتمار کرتے رہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی کہ سرسیدؒ بُروں کی بجائے برائی سے نفرت کرتے تھے۔ ان کا موقف تھا کہ اگر ہم بُرے لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کریں گے تو ان کی شرانگیزیاں اور بڑھیں گی اور معاشرے کے خلاف وہ زیادہ نقصان دہ ثابت ہوں گے۔ لہٰذا ان سے نفرت کی بجائے ان کا نفسیاتی جائزہ لیا جائے کہ کن حالات نے انھیں اس سماجی بُرائی میں مبتلا کیا ہے پھر ان حالات کی اصلاح کی جائے۔ اس طرح اس شخص کی اصلاح ممکن ہے۔ چناں چہ وہ ملازم جس کے خلاف لوگوں نے ان کے کان بھرے تھے انھوں نے اس کو ملازمت سے نکالا نہ اپنے سے دور کیا بلکہ سفر میں، قیام میں ہر جگہ ساتھ رکھا۔ یہاں تک وہ ان کی صحبت میں رہتے ہوئے ہی انتقال کر گیا۔

.....

اقتباس: ''ظرافت اور خوش طبعی ان کی جبلت میں داخل تھی مگر جس طرح ان کی اور باتوں میں بناوٹ نہ تھی اسی طرح ظرافت اور خوش طبعی میں مطلق تصنع نہ تھا۔ تحریر میں، تقریر میں، بات چیت میں جو لطیفہ یا شوخی ان کو سوجھ جاتی تھی اگرچہ کیسی ہی شرم و حجاب کی بات ہو ان سے ضبط نہ ہو سکتی تھی مگر ہر ایک امر کے بیان کرنے کا خدا نے ایسا سلیقہ دیا تھا کہ کوئی بات تہذیب کی حد سے متجاوز نہ ہونے پاتی تھی۔'' (بورڈ 2011,16)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: سرسیدؒ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالیؒ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالیؒ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسیدؒ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خانؒ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ سرسید احمد خاںؒ جہاں قوم کے ایک عظیم مصلح تھے وہاں خوش طبع انسان بھی تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف کی اور اس مقصد کے حصول کے لیے دِن رات ایک کر دیے۔ محنت اور جفاکشی اُن کے خاص اوصاف میں سے ایک ہے۔ سخت محنت کے لیے خوش مزاج اور زندہ دل ہونا نہایت ضروری ہے ورنہ انسان بہت جلد تھکاوٹ اور اُکتاہٹ کا شکار ہو جاتا ہے۔

ظرافت اور خوش طبعی نہ صرف بولنے اور لکھنے والے کو تر و تازہ رکھتی ہے بلکہ سننے اور پڑھنے والے کے لیے بھی خوشی کا سامان اور مسکراہٹ کی وجہ بن جاتی ہے۔ اسی زندہ دلی اور خوش طبعی کی بدولت ہی وہ مسلسل اور بے تکان کام کرنے کے قابل رہتے تھے۔ وہ جہاں کہیں بھی ہوتے تھے، ایک بے تکلفانہ ماحول بنا لیا کرتے تھے۔ وہ ہنسی مزاح اور چہل کرتے رہتے تھے۔

خوش گوار ماحول میں انسان نہ صرف زیادہ بہتر انداز سے کام کر سکتا ہے بلکہ اس کے کام کرنے کی صلاحیت میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ سنجیدہ سے سنجیدہ بات میں ہنسی مذاق کا کوئی نہ کوئی پہلو نکال ہی لیا کرتے تھے اور یہ خوش طبعی اور خوش مزاجی اُن کا بنیادی وصف تھی۔ مگر اُن کی یہ خوش طبعی بالکل فطری ہوا کرتی تھی اور اس میں دکھاوے یا نمود و نمائش کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا۔ اُن کی طبیعت کی یہ شوخی اُن کی تحریر و تقریر دونوں میں واضح طور پر محسوس ہوتی ہے۔

سرسید احمد خاںؒ کی زندگی منافقت اور ریاکاری سے بالکل پاک تھی۔ اُن کے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہ تھا۔ جو کچھ اُن کے دل میں ہوتا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تھا، زبان پر لے آیا کرتے تھے۔ وہ اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنے میں کبھی دکھاوا یا بناوٹ سے کام نہ لیتے تھے بلکہ جو کچھ دل میں ہوتا تھا اُس کا برملا اظہار کر دیتے تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اُنھیں اظہار کا ایسا عمدہ وصف عطا فرمایا تھا کہ نا قابلِ بیان بات کو بھی تہذیب کے دائرے میں رہتے ہوئے اس طرح بیان کرتے تھے کہ کوئی قابلِ اعتراض پہلو باقی نہ رہ جائے۔ گفتگو کرنے میں اُنھیں مکمل ملکہ حاصل تھا۔

اُن کی تحریر و تقریر میں مقصدیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے اور ملکی فلاح و بہبود ہمیشہ اُن کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ تاہم سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی شوخ اور کھری طبیعت کے اثرات ان کی تحریر و تقریر پر واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ یہ شوخی اُن کی طبیعت کا بنیادی حصہ تھی۔ جس کو اُن کی شخصیت اور تحریر و تقریر دونوں میں واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔

.....

اقتباس: ''راست بازی اور وہ تمام اوصاف جو ایک راست باز آدمی میں ہونے ضروری ہیں، جیسے صدق مؤدت، حمیت، دلیری اور آزادی وغیرہ اس شخص کی خصوصیات میں سے تھے۔ اس شخص نے اگر سچ پوچھیے تو اپنی آزادانہ تحریروں سے اردو لٹریچر میں آزادی اور سچائی کی بنیاد ڈال دی۔ اس نے لوگوں کو مجبور کیا کہ سچ بات کہنے میں کسی کی طعن و ملامت سے نہ ڈریں۔ جو بات اس کو حق معلوم ہوئی، اس کے کہنے میں کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ دنیا میں کوئی دوسرا شخص بھی اس بات میں اس کے ساتھ اتفاق کرنے والا ہے یا نہیں۔''

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ اگر کامیاب اور عظیم لوگوں کے طرزِ زندگی پر طائرانہ نظر ڈالی جائے تو چند ایک صفات اِن تمام انسانوں میں مشترک نظر آئیں گی۔ انہی عظیم صفات میں سے ایک صفت راست بازی ہے۔ جو بہت سی دوسری صفات کا پیشِ خیمہ ہے۔ مثلاً سچ بولنے والا شخص فطری طور پر مخلص ہوگا یعنی وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی چاہے گا اور اُن سے سچی محبت کرے گا۔

سچا شخص لازمی طور پر خوددار، غیرت مند اور دلیر بھی ہوگا کیوں کہ اُس کا ظاہر و باطن ایک ہی ہوگا۔ جب کہ اس کے برعکس جھوٹ بولنے والے شخص ظاہر و باطن میں تضاد کی وجہ سے خود اعتمادی اور خودداری کی صلاحیت سے یکسر محروم ہوگا اور اُس کی شخصیت تضادات کا شکار ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ افراد اور اقوام کی ترقی میں بھی راست بازی کو بڑا عمل دخل ہے۔

بدقسمتی سے ہمارے قدیم شعرا اور لکھاریوں نے حقیقت پسندی سے زیادہ خیال پسندی سے کام لیا ہے۔ شاعری، کہانیوں اور افسانوں میں بھی زمینی حقائق کی بجائے تصورات اور تخیلات کی دنیا بسائی گئی۔ اِن حالات میں سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ وہ پہلے شخص تھے جنھوں نے اردو ادب میں سچائی کی بنیاد ڈالی اور عوام کی پسند اور ناپسند سے قطع نظر سچ کہا اور سچ لکھا۔ عام لوگ خیالی باتوں کے عادی ہو چکے تھے لہٰذا اُن کی تحریروں پر سخت تنقید کی گئی اور اُنھیں غیر ادبی اور غیر معیاری قرار دیا گیا۔ مگر انھوں نے اس مخالفت کی بالکل پروانہ کی اور کبھی سچائی کا دامن نہ چھوڑا۔ جو بات اُنھیں حق معلوم ہوئی وہ انھوں نے دل میں رکھنے کے بجائے بیان کر دی۔

سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ کو جو بات سچی اور کھری معلوم ہوئی برملا اُس کا اظہار کیا اور لوگوں کے ردِ عمل کی کوئی پروانہ کی۔ عام طور پر ہم لوگوں کی رائے سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے جھوٹ کا سہارا لیتے ہیں۔ مگر اُنھوں نے کبھی بھی غلط بیانی سے کام نہ لیا اور اس بات کی ذرا برابر پروانہ کی کہ لوگ ان کی رائے کی مخالفت کریں گے اور اُسے کبھی تسلیم نہ کریں گے۔ ان کی اس حقیقت پسندی اور سچ بولنے کی وجہ سے بعض اوقات انھیں شدید

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تنقید کا نشانہ بنایا جاتا وہ تن تنہا اپنے موقف پر ڈٹے رہتے اور محض دوسروں کی حمایت حاصل کرنے کی غرض سے کبھی بھی دروغ گوئی اور جھوٹ کا سہارا نہ لیتے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ سچ بولنے والا شخص صرف سچ بولنے والوں کو ہی پسند کرتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ سچ بولنے والوں کی دل سے قدر کیا کرتے اگر کوئی بڑے سے بڑا نقصان بھی کر دیتا مگر آپ کو سچ سچ بتا دیا کرتا تو وہ اُس کو معاف فرما دیتے۔ اس طرح سیاسی طور پر قد آور شخصیت ہونے کے ساتھ ساتھ علم و ادب میں بھی سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ ایک عظیم نام ہیں کیوں کہ وہ ہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم و ادب میں سچائی کی بنیاد ڈالی۔ اُن کے اس خلوص اور سچائی سے دوسرے ادیب اور شاعر بھی متاثر ہوئے اور یوں اُردو ادب میں سچائی کی بنیاد پڑی جس نے بعد میں براہِ راست تحریکِ پاکستان میں مؤثر کردار ادا کیا.....

اقتباس: مطالعہ کی عادت ابتدا سے ان کی رفیقِ کار رہی۔ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ نہ صرف دل بہلانے یا عبارت کو لطف اُٹھانے کے لیے ہوتا تھا اور نہ کتاب دانی کی غرض سے جیسا کہ مدرس اور طلبہ کتاب کے ایک لفظ اور جملے اور تراکیب پر غائر نظر کرتے ہیں بلکہ ان کا مطلب صرف مصنف کے خیال سے اطلاع حاصل کرنا ہوتا تھا۔ جو بات کتاب میں ان کے کام کی ہوتی تھی اس پر پنسل سے نشان کر دیتے تھے اور اگر کوئی مضمون کسی اخبار میں کام کا ہوتا تھا اس ورق کو الگ کر کے اپنے اخبار کی فائل میں جو ہر وقت سامنے رکھا رہتا تھا چسپاں کر دیتے تھے۔ (بورڈ 2017ء)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل

مصنف کا نام: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اردو ادب کے ارکانِ خمسہ میں ہوتا ہے۔ وہ شاعر، نقاد اور سوانح نگار تھے۔ سبق سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل میں انھوں نے سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ کی حیاتِ جاوید کے کچھ پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ انسان اپنے ماحول کا پروردہ ہوتا ہے وہ ماحول سے بہت کچھ سیکھتا ہے۔ جاننے کے اس عمل میں ماحول کے ساتھ انسان کا تجربہ بھی شامل ہوتا ہے کئی باتیں انسان اپنے ماحول سے مشاہدے کے ذریعے اور دوسرے افراد سے سیکھتا ہے تو کئی باتیں اپنے تجربے کی بنیاد پر اس کے علم و دانش میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ لیکن سب سے زیادہ کتابوں کے مطالعے سے انسان سیکھتا ہے کہ کتابوں میں دنیا بھر کی دانش موجود ہوتی ہے۔ سرسید احمد رحمۃ اللہ علیہ بچپن ہی سے مطالعے کے شوقین تھے لیکن سرسید رحمۃ اللہ علیہ کتابوں کی عبارت سے لطف اندوز ہونے کے لیے نہیں پڑھتے تھے۔ ان کے مطالعے کا مقصد تفریح نہیں تھا۔ عام طور پر جو لوگ تفریح کی غرض سے مطالعہ کرتے ہیں وہ سنجیدہ اور خالص علمی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے بلکہ ہلکی پھلکی شگفتہ تحریریں پڑھتے ہیں تا کہ طبیعت پر جو بوجھ ہے وہ اتر جائے۔

سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا مطالعہ طالب علموں اور اساتذہ کی طرح بھی نہیں تھا۔ طالب علم نے چوں کہ امتحان دینا ہوتا ہے اس لیے وہ کتاب کے ایک ایک لفظ کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے تا کہ نمایاں کامیابی حاصل کر سکے اور استاد اس لیے کتاب کے مشمولات پر غور سے نظر کرتا ہے کہ اس نے تدریس کا فریضہ سرانجام دینا ہوتا ہے۔ اسے تحریر پر عبور ہو گا تو وہ اپنا کام خوش اسلوبی سے کر سکے گا۔ سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے نہ تو کوئی امتحان پاس کرنا تھا نہ تدریس کا فریضہ انجام دینا تھا۔ وہ اس لیے مسلسل مطالعہ کرتے تھے کہ لکھنے والوں کے نقطہ نظر سے آگاہ ہو سکیں۔

یوں تو ہر باشعور انسان کے لیے ضروری ہے کہ دنیا میں موجود مختلف نظریات افکار سے آگاہ رہے لیکن ایک مصلح قوم کے لیے یہ امر از حد ضروری ہے کہ اسے ہر طرح کے نظریات کا شعور ہو اور وہ جن خیالات کو اپنی قوم کے افراد کے لیے مفید خیال کرے انھیں اپنی تحریروں کے ذریعے لوگوں تک پہنچائے اور اگر معاشرے میں کوئی ایسا نظریہ پھیل رہا ہو یا کچھ لوگ اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے کوئی منفی نظریہ پھیلانے کی کوشش کر

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

رہے ہو تو اس کا سدِ باب کیا جا سکے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین میں بھی یہ بات موجود ہے کہ معاشرے میں موجود منفی خیالات اور رجحانات کی مذمت کرتے نظر آتے ہیں اور مثبت اور حیات بخش نظریات افکار پھیلانے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کی تصانیف ''خطبات احمدیہ'' اور رسالہ ''اسباب بغاوت ہند'' بھی اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے موجود غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے لکھی گئیں چناں چہ سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ مطالعہ کے دوران اگر کسی کتاب میں کوئی کام کی بات دیکھتے تو اس پر پنسل سے نشان لگا دیتے اور اگر کسی رسالے یا اخبار میں کوئی کام کا مضمون نظر آتا تھا تو اسے کاٹ کر اپنی فائل میں لگا لیتے اور جہاں کہیں ضرورت پڑتی اس سے استفادہ کرتے۔ اس کی ایک مثال ہمارے نصاب میں شامل سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا مضمون ''اپنی مدد آپ'' ہے جس میں انھوں نے ولیم ڈراگن کی ایک تقریر کا اقتباس اپنے موقف کی تائید میں پیش کیا ہے۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1- سبق ''سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل'' کے مصنف کا نام ہے:

(A) احمد ندیم قاسمی (B) ابن انشا (C) سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (D) الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ

2- سبق ''سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق و خصائل'' لیا گیا ہے: (بورڈ 2015ء)

(A) آب حیات سے (B) حیات جاوید سے (C) چند ہم عصر سے (D) سرسید احمد خان رحمۃ اللہ علیہ سے

3- مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے:

(A) 1807ء (B) 1817ء (C) 1827ء (D) 1837ء

4- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کھانے کے بعد بلا ناغہ پی لیتے تھے: (بورڈ 2015ء، 18)

(A) پانی (B) پاؤ پاؤ سیر دودھ (C) لسی (D) جوس

5- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی مرغوب غذا تھی:

(A) جو مل جاتا (B) گوشت (C) چاول (D) دال

6- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کو پھلوں میں پسند تھا:

(A) سیب اور خربوزے (B) خربوزے (C) آم اور خربوزے (D) آم

7- سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے مطالعہ کی عادت اپنائی:

(A) کالج سے (B) اسکول سے (C) ابتدا سے (D) دوستوں کو دیکھ کر

8- سرسید رحمۃ اللہ علیہ خطوں کا جواب دینے میں تھے: (بورڈ 2016ء)

(A) فیاض (B) کنجوس (C) جواب نہیں دیتے تھے (D) جواب دیر سے دیتے

9- سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے خطباتِ احمدیہ کتنی مدت میں لکھی:

(A) دو سال میں (B) ایک سال میں (C) تین سال میں (D) ڈیڑھ سال میں

10- سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے خطباتِ احمدیہ کس ملک جا کر لکھی:

(A) عرب (B) ولایت (C) جرمنی (D) سپین

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

11- ظرافت اور خوش طبعی ان کی تھی:

(A) تحریر میں (B) جبلت میں (C) مضمون میں (D) شاعری میں

12- خطباتِ احمدیہ لکھتے ہوئے سرسید رحمۃ اللہ علیہ کو مرض لاحق ہو گیا تھا:

(A) دل کا (B) جگر کا (C) پاؤں کا (D) سر کا

13- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی غیر معمولی ذہانت کی وجہ تھی:

(A) مطالعہ (B) دائمی غور و فکر اور دماغی محنت (C) قوتِ حافظہ (D) ان میں سے کوئی نہیں

14- سرسید رحمۃ اللہ علیہ راست بازی کو سمجھتے تھے:

(A) زندگی (B) دین (C) ایمان (D) دین و ایمان

15- نواب محسن الملک کی پہلی ملاقات سرسید رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی:

(A) 1861 (B) 1862 (C) 1871 (D) 1881

16- سرسید رحمۃ اللہ علیہ نے معاف کرنا کس سے سیکھا:

(A) ماں سے (B) باپ سے (C) خود سے (D) دین سے

17- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کو بہت لگاؤ تھا اپنے:

(A) کنبے سے (B) کالج سے (C) گھر سے (D) دولت سے

18- سرسید رحمۃ اللہ علیہ اپنے بھائی کی موت کا صدمہ نہیں بھولے:

(A) دس سال (B) پندرہ سال (C) بیس سال (D) پانچ سال

19- سرسید رحمۃ اللہ علیہ دوستوں کو زندگی کا ایک سمجھتے تھے:

(A) حصہ (B) عنصر (C) جزو (D) کچھ نہیں

20- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا غریب پیشہ وروں اور مزدوروں سے برتاؤ تھا:

(A) حاسدانہ (B) حقیرانہ (C) فیاضانہ (D) عامیانہ

21- کتاب کی تلاش میں ہوتے اور مل جاتی تو اس کو لیے بغیر نہ چھوڑا چاہے اس کی قیمت ہوتی:

(A) دس گنا (B) بیس گنا (C) پانچ گنا (D) سو گنا

22- وطن سے محبت تھی:

(A) عام سی (B) مثالی (C) عجیب طرح کی (D) دیوانی

23- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاق کے خاص اوصاف تھے:

(A) تیمارداری (B) بہادری (C) مذہب کی حمایت (D) سیر چشمی اور فراخ حوصلگی

24- کون سی بات سرسید رحمۃ اللہ علیہ کو سب سے زیادہ ناگوار گزرتی تھی؟

(A) جب کوئی چندہ نہ دیتا (B) راست بازی پر الزام (C) مذاق کرنا (D) گالی دینا

25- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کسی کی طعن و ملامت سے نہ ڈرتے _____ بات کہنے میں:

(A) غلط (B) جھوٹ (C) سچ (D) فضول

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

26- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کبھی دشمنوں سے نہ لیتے:

(A) چندہ (B) انتقام (C) حلف (D) حوصلہ

27- کھانا کھاتے ہوئے بشاش نہ ہوتے جس دن کوئی نہ ہوتا:

(A) بھائی (B) رشتے دار (C) مہمان (D) افسر

28- جو خط پانی پت سے علی گڑھ بھیجا جاتا اس کا جواب آجاتا:

(A) دوسرے دن (B) تیسرے دن (C) چھٹے دن (D) پانچویں دن

29- جب _____ کا ذکر آتا تو سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا دل اُمڈے بغیر نہیں رہتا۔ (بورڈ 2018ء)

(A) علی گڑھ (B) پانی پت (C) دِلی (D) مدراس

30- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کے مطالعے کا مقصد ہوتا تھا: (بورڈ 2019ء)

(A) عبارت سے لطف اٹھانا (B) عبارت سے دل بہلانا

(C) مصنف کے خیالات سے واقفیت (D) تفریح طبع

31- سرسید رحمۃ اللہ علیہ کا دسترخوان بہت کم خالی ہوتا:

(A) دوستوں سے (B) مہمانوں سے (C) رشتے داروں سے (D) دوستوں اور مہمانوں سے

32- مولانا الطاف حسین حالی رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے:

(A) 1904ء (B) 1914ء (C) 1916ء (D) 1924ء

جوابات

A	-5	B	-4	D	-3	B	-2	D	-1
B	-10	D	-9	A	-8	C	-7	C	-6
A	-15	D	-14	B	-13	C	-12	B	-11
C	-20	B	-19	C	-18	A	-17	A	-16
C	-25	B	-24	D	-23	C	-22	B	-21
C	-30	C	-29	B	-28	C	-27	B	-26
						B	-32	D	-31

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

04

ابوالقاسم زہراوی

(حمید عسکری)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
اندلس	ہسپانیہ۔ سپین اور پرتگال پر مبنی علاقہ، یہاں مسلمانوں نے 711ء سے 1492ء تک حکومت کی۔
مہارت تامہ	کامل مہارت، مکمل ہنرمندی
عبدالرحمٰن ناصر	آٹھواں ہسپانوی حکمران، سپین میں سب سے پہلے اسی نے خلیفہ کا لقب اختیار کیا۔ 912ء تا 961ء تک حکمران رہا۔
قرطبہ	کورڈوبا، وسطی اندلس کا عظیم الشان شہر، اسے مسلم حکمرانوں نے نئے دارالحکومت کی غرض سے تعمیر کیا تھا۔
داعیان سلطنت	سرکاری حکام، اصل مرکب ''اعیانِ سلطنت'' ہے۔ ''داعیانِ سلطنت'' غلط ترکیب ہے۔
مرزبوم	جائے پیدائش، جنم بھومی
کامل دست گاہ	مکمل مہارت
طب	ادویات کے ذریعے علاج، حکمت
علم الجراحت	سرجری، آپریشن یعنی جراحت سے علاج کرنا
سرجن	جراحت کا ماہر، آپریشن کرنے والا
چربہ	نقل کرنا
روزافزوں	روزانہ کی ترقی، تیزی سے ترقی کرتا ہوا
ازمنہ وسطیٰ	قرونِ وسطیٰ، یورپ کی روایتی تاریخ میں پانچویں صدی سے 15 ویں صدی تک کا زمانہ
حلق کا کوّا	حلق میں لٹکنے والا نرم گوشت
خنازیر	کنٹھ مالا، گلٹی دار، گردن پر موجود گلٹیاں
انیما	مصنوعی طریقے سے بڑی آنت سے فضلہ خارج کرنا
موشگافیاں	بال کی کھال اتارنا، باریک بینی
لاطینی	اہل روم کی قدیم زبان
وینس	اٹلی کا مشہور شہر جس کی گلیوں میں پانی بہتا ہے

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

باسل	سوئیٹزرلینڈ کا شہر
قاشاطیر	پیشاب خارج کرنے کا آلہ
مقاماع الاسنان	خراب دانت اکھاڑنے کا آلہ

خلاصہ:

حمید عسکری فزکس کے استاد اور محقق تھے۔ سبق ابوالقاسم زہراوی ان کی کتاب "نامور مسلم سائنس دان" سے لیا گیا ہے جس میں اندلس کے مشہور طبیب خلف بن عباس المعروف ابوالقاسم زہراوی کی خوبیوں اور کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

اندلس کی اسلامی سلطنت کے بعض نامور سائنس دان بلاشبہ اپنے فن میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے لیکن ابوالقاسم خلف بن عباس زہراوی وہ مسلمان سائنس دان ہیں جن کی علمی عظمت کا اعتراف اہلِ مغرب نے بھی کیا ہے۔ ابوالقاسم ۹۳۶ء میں اندلس کے شہر "الزہرا" میں پیدا ہوئے۔ اس دور میں اندلس کا دارالحکومت قرطبہ تھا جو بے حد ترقی یافتہ شہر تھا۔ جس میں ایک عظیم ترین یونی ورسٹی بھی موجود تھی۔ ابوالقاسم کا لڑکپن اور جوانی قرطبہ کے علمی ماحول میں گزری اور اس نے اس علمی ماحول سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور طب پر مکمل عبور حاصل کیا۔ اس نے اپنے فن کا عملی اظہار قرطبہ کے شاہی شفاخانے سے وابستہ ہونے کے بعد کیا۔ جہاں اس نے عملی تحقیق کی ابتدا کی اور تھوڑے ہی عرصے میں جدید علم جراحت کا موجد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرجن بن گیا۔

عام طور پر دوا سے علاج کی ابتدا مشرق کے حوالے سے تسلیم کی گئی ہے لیکن سرجری کو مغربی ڈاکٹروں کا کمال سمجھ لیا گیا ہے۔ مگر درحقیقت یہ کارنامہ عظیم سائنس دان ابوالقاسم الزہراوی کا ہے اور اسی نے یورپ والوں کو اس فن سے روشناس کرایا ہے۔ ابوالقاسم نے جتنے قابلِ ذکر آپریشن کیے، اپنے تجربے کی بنیاد پر جو نئی نئی راہیں دریافت کیں اور اپنی نگرانی میں آپریشن کے نئے نئے آلات بنوائے، سب کے بارے میں تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ اس طرح جراحت پر ایک بے مثال کتاب تصنیف ہوگئی جو صدیوں تک یورپ کی یونی ورسٹیوں میں واحد معیاری کتاب کے طور پر پڑھائی جاتی رہی۔ زہراوی کی اس تصنیف کا نام "تصریف" ہے۔

اس کتاب میں طب کے دونوں شعبوں دوا سے علاج اور سرجری کے بارے میں معلومات ہیں مگر اس کا اہم ترین حصہ سرجری ہی ہے۔ زہراوی کی اس تصنیف سے پہلے دواؤں کے بارے میں تو عربی میں کافی کتب موجود تھیں مگر جراحت پر اعلیٰ معیار کی کوئی کتاب نہ تھی۔ اس کمی کو زہراوی کی کتاب "تصریف" نے پورا کیا۔ "تصریف" تین حصوں یعنی ایک داغ دینے اور عملی جراحت کے دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک سرجن کو جراحی میں جن جن پہلوؤں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہر ایک پر زہراوی نے تفصیل سے لکھ دیا ہے۔ آلاتِ جراحی کی تفصیل تصاویر کی مدد سے موجود ہے۔

تصریف کی نمایاں خوبی سرجری سے متعلق وہ تفصیلات ہیں جو اس سے پہلے طبی دنیا میں موجود نہیں تھیں۔ اس پر خوبی یہ کہ زہراوی کی تحریر عام فہم ہے اور ان کی زبان سادہ ہے۔ ہر مسئلے اور موضوع کو اس وضاحت سے بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں کوئی الجھاؤ نہیں رہتا۔ اس نے دوسروں کے برعکس اپنے فن کے انھیں امور کی وضاحت کرنا ضروری سمجھا ہے جن کا عملی فائدہ ہو۔

مغرب والوں نے اپنی عادت کے سبب ابوالقاسم کے نام کو بھی بگاڑ کر مختلف انداز سے لکھا ہے لیکن ابوالقاسم کی علمی عظمت کو وہ بھی تسلیم کرتے ہیں اور جگہ جگہ اس کی کتاب کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض نے تو واضح طور پر ابوالقاسم کو استادِ کامل کہا ہے اور یورپ نے سرجری کے سلسلے میں ابتدا میں جو کچھ حاصل کیا ابوالقاسم ہی سے حاصل کرنے کا اعتراف کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ زہراوی کی کتاب بطور سند پیش کی جاتی رہی ہے۔ تصریف کا سب سے پہلا ترجمہ ۱۴۹۷ء میں وینس سے لاطینی میں شائع ہوا اور انیسویں صدی کے آخر تک یورپ میں اس کتاب کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

مقبولیت باقی رہی۔ ۱۸۸۱ء میں ایک فرانسیسی ڈاکٹر لی کارک نے اس کتاب کا ترجمہ فرانسیسی میں کیا۔ یورپی علما نے نہ صرف اس کتاب کے تراجم لکھے بلکہ بعض نے اس کتاب کی تشریحات بھی لکھی ہیں۔

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''قرطبہ یونی ورسٹی اس زمانے میں مغرب کی عظیم ترین یونی ورسٹی تھی جہاں مختلف مضامین کے جلیل القدر علما تعلیم و تدریس اور تحقیق و تالیف میں مصروف رہتے تھے۔ یہی وہ ماحول تھا جس میں ابوالقاسم زہراوی نے اپنا لڑکپن اور جوانی گزاری۔ اس کے کمال فن کو دیکھ کر یہ اندازہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اس علمی ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا اور طب میں، جو اس کا خاص مضمون تھا، کامل دست گاہ حاصل کی۔ اپنی تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ قرطبہ کے شاہی شفا خانے کے ساتھ منسلک ہوگیا اور یہاں اس نے اُس عملی تحقیق کا آغاز کیا جس نے تھوڑے ہی عرصے میں اس کو جدید علم الجراحت کا موجد اور اپنے زمانے کا سب سے بڑا سرجن بنا دیا۔''

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ابوالقاسم زہراوی

مصنف کا نام: حمید عسکری

سیاق وسباق:

اندلس کی اسلامی سلطنت کا مشہور سائنس دان ابوالقاسم زہراوی عبدالرحمٰن ناصر کے دور میں قرطبہ کے ذیلی شہر 'زہرا' میں پیدا ہوا۔ اُس عہد میں قرطبہ ایک ترقی یافتہ شہر تھا۔ قرطبہ یونی ورسٹی یورپ کی عظیم ترین یونی ورسٹی تھی۔ زہراوی نے اِس علمی ماحول سے بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے طب میں مہارت حاصل کی اور علم جراحت (سرجری) کا موجد اور عظیم سرجن قرار پایا۔ اُس نے مختلف نادر آپریشن کی تفصیلات، اُن میں استعمال ہونے والے آلات کی تصاویر اپنی مشہور کتاب ''تصریف'' میں اکٹھی کر دیں۔ اُس کا طرز بیاں عام فہم اور زبان سادہ ہے۔ اہلِ مغرب اُس کا نام بگاڑتے ہیں۔ تصریف صدیوں تک یورپ کی یونی ورسٹیوں میں شاملِ نصاب رہی۔ اس کے کئی ترجمے اور شرحیں بھی لکھی گئی ہیں۔

تشریح:

حمید عسکری فزکس کے استاد اور محقق تھے۔ سبق ابوالقاسم زہراوی ان کی کتاب نامور مسلم سائنس دان سے لیا گیا ہے جس میں اندلس کے مشہور طبیب خلف بن عباس المعروف ابوالقاسم زہراوی کی خوبیوں اور کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ اندلس کے آٹھویں فرماں روا عبدالرحمان الناصر کے دور یعنی دسویں صدی عیسوی میں اندلس کا دارالسلطنت قرطبہ ترقی کے عروج پر تھا۔ قرطبہ میں ایک عظیم یونی ورسٹی موجود تھی جس میں تمام علوم کی بے شمار کتابیں اور ہر شعبے کا عالم موجود تھا۔ یہ عالم اپنے زمانے کے منتخب اور بہترین استاد تھے۔ اس یونی ورسٹی میں علم کی تدریس اور تعلیم کے علاوہ تحقیق کا کام بھی ہوتا تھا۔ تحقیق سے حاصل کیے گئے نتائج پر مبنی کتابیں بھی تالیف کی جاتی تھیں۔ اسی لیے پورے یورپ میں قرطبہ کی یونی ورسٹی کے مقابلے کا کوئی تعلیمی ادارہ نہ تھا۔ دور و نزدیک اور دنیا کے کونے کونے سے علم کے پیاسے اس یونی ورسٹی کا رخ کرتے جہاں تمام علوم اور فنون کے بے مثال اساتذہ موجود تھے۔ جن کی علمی عظمت اور شہرت کا ایک زمانہ شیدائی تھا۔ ایسا علمی ماحول ابوالقاسم زہراوی کو قدرت نے فراہم کر دیا تھا۔ اب یہ ان کی خوش بختی ہے کہ انھوں نے اس موقع کو ضائع نہیں ہونے دیا اور اپنے اردگرد پہلے ہی سے موجود علمی ماحول، سہولیات، اور مواقع سے خوب خوب فائدہ اٹھایا۔ ابو القاسم زہراوی کا لڑکپن اور جوانی ایسے ہی علمی ماحول میں گزرے یعنی ہر طرف علم کے چرچے، فنون پر مباحثے، تحقیق اور اس کے نتائج پر غور و خوض اور تصنیف و تالیف کی فضا۔

ابوالقاسم زہراوی کے اپنے آبائی شہر میں علم و فن اپنے عروج پر تھا۔ اپنے دور کے یکتا صاحبانِ علم تک رسائی آسان تھی اور کتب کا مطالعہ کرنے میں کوئی دقت نہ تھی۔ خاندان کی طرف سے بھرپور مدد اور حوصلہ افزائی اور اساتذہ کی شفقت اور دریا دلی کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ابوالقاسم زھراوی کوئی نادر اور بے مثال کارنامہ سرانجام دیتا۔

عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض افراد قدرت کی طرف سے فراہم کیے جانے والے مواقع سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتے لیکن ابو القاسم زھراوی کا کمالِ فن اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے ماحول سے پورا فائدہ اٹھایا۔

ابوالقاسم زھراوی نے اپنے لیے طب کا شعبہ منتخب کیا اور اس شعبہ سے تعلق رکھنے والی تمام سابقہ کتابوں کا مطالعہ کیا۔ علما طب سے اس کی وضاحت، تشریح اور تصریح کے لیے سوالات کیے۔ حاصل شدہ علم کی بنیاد پر تحقیق کا آغاز کیا اور اس میدان میں جزئیات تک کو نظر انداز نہیں کیا بلکہ جہاں علم الادویہ میں اپنے باکمال ہونے کا ثبوت دیا وہاں جراحت جیسے پیچیدہ علم وفن پر طبع آزمائی کی۔

ابوالقاسم زھراوی کا علمی مقام اس امر کی بہت بڑی دلیل ہے کہ اس نے اپنے لڑکپن کا زمانہ وقت ضائع کرنے اور فضولیات میں دل چسپی کے برعکس علم کے حصول اور اپنی علمی پیاس بجھانے میں صرف کیا۔ اس نے لمحہ لمحہ تحقیق اور جستجو میں گزار کر اس کو ثمر آور، مفید اور نتیجہ خیز بنا دیا۔ علم کی تکمیل کے بعد قرطبہ کے شاہی شفاخانے سے ان کی وابستگی خود اس بات کا ثبوت ہے کہ اس وقت کے مقتدر طبقے میں بھی انھیں حد درجہ پذیرائی حاصل تھی اور ان کی علمی عظمت کا اعتراف اسی دور ہی میں کیا جانے لگا تھا۔ ابوالقاسم زھراوی نے اس موقع سے بھی خوب خوب فائدہ اٹھایا اور وسائل کو تحقیق کے لیے استعمال کر کے انسانیت کے لیے مفید بنا دیا۔

.....

اقتباس: ''تصریف'' کی نمایاں خصوصیات میں فاضل مصنف نے اس میں جا بجا اپنے تجربات کی روشنی میں سرجری کے متعلق ایسی تصریحات کی ہیں جن سے طبی دنیا اس سے پہلے بے خبر تھی۔ زھراوی کا طرزِ بیان عام فہم اور زبان سادہ ہے۔ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتا ہے اس کے تمام رموز اس خوبی سے بیان کرتا ہے کہ قاری کے لیے کسی قسم کا الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔ پھر بعض دیگر طبی مصنفوں کی طرح وہ فلسفیانہ موشگافیوں میں نہیں الجھا بلکہ اپنے فن کے عملی پہلوؤں کو سامنے رکھتا ہے اور صرف انھی امور کی توضیح کرنا ضروری خیال کرتا ہے جو عملی افادیت کے حامل ہوں۔

(بورڈ 2008)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ابوالقاسم زھراوی

مصنف کا نام: حمید عسکری

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح:

حمید عسکری فزکس کے استاد اور محقق تھے۔ سبق ابوالقاسم زہراوی ان کی کتاب نامور مسلم سائنس دان سے لیا گیا ہے جس میں اندلس کے مشہور طبیب خلف بن عباس المعروف ابوالقاسم زھراوی کی خوبیوں اور کارناموں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ کسی بھی کتاب کی اہمیت اس بات میں ہوتی ہے کہ جس موضوع پر وہ کتاب ہے اس موضوع پر پہلے سے موجود کتابوں کے مقابلے میں یہ کتاب کیا انفرادیت لیے ہوئے ہے وہی کتاب اہم ہوتی ہے جو علم میں، معلومات میں اضافے کا سبب ہو۔ ابوالقاسم زھراوی سے پہلے عربی میں میڈیسن پر بہت سی کتابیں موجود تھیں لیکن جراحت یعنی سرجری پر کوئی اعلیٰ معیار کی کتاب موجود نہ تھی۔ ابو القاسم زھراوی کی طب و جراحت کے موضوع پر لکھی جانے والی کتاب ''تصریف'' اس سلسلے کی پہلی مفصل تصنیف ہے۔ اس کتاب کو مصنف نے تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اس کا پہلا حصہ داغ دینے سے متعلق ہے یعنی بعض بیماریوں میں جسم کے بعض حصوں کو گرم لوہے یا سلاخوں سے داغا جاتا تھا اور یہ طریقۂ علاج وسطی زمانے تک جاری رہا ہے۔ تصریف کے دوسرے اور تیسرے حصے میں عملی جراحت کا بیان ہے۔ ابوالقاسم زھراوی سرجری میں جو نیا تجربہ کرتا یا غیر معمولی آپریشن کرتا یا اس فن میں نئی نئی راہیں تلاش کرتا تھا وہ سب تحریر کرتا جاتا تھا۔ اس طرح اپنی نگرانی میں آپریشن

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کے لیے جو نئے نئے آلات بنواتا تھا۔ کتاب میں ان کے متعلق تمام تفصیل درج کرتا اور ساتھ ہی ان آلات کی تصاویر بھی شامل کرتا تھا۔ اس کتاب میں جراحت میں پیش آنے والے ۹۰ فیصد کاموں کی مکمل تفصیل موجود ہے۔ سرجری میں استعمال ہونے والے تمام آلات کی تصویریں اور ان کا طریقِ استعمال آسان الفاظ میں سمجھایا گیا ہے۔ جراحت سے متعلق جو تفصیلات اس کتاب میں درج کی گئی ہیں ان سے دنیا پہلے بے خبر تھی۔ یہی وہ نمایاں خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے ابوالقاسم زہراوی کی تصنیف کو سند کا درجہ ملا۔

ابوالقاسم زہراوی کی تصنیف ''تصریف'' جراحت یعنی سرجری سے متعلق ان کے تجربات اور ان کی وضاحت پر مبنی ہے۔ جو اس فن کے دلدادہ طالب علموں کے لیے تفہیم اور سمجھنے کی غرض سے کی گئی ہے۔ اس لیے تحریر کا انداز بہت سادہ ہے جو ہر ایک کی سمجھ میں آسانی سے آجاتا ہے۔ عام طور پر بعض علوم کے نامی علما اپنے علمی جلال کی بھول بھلیوں میں کھو جاتے ہیں۔ قاری کی تشفی اور اطمینان کے لیے سمجھانے کی صلاحیت سے بالکل معذور اور قاصر ہوتے ہیں۔ ابوالقاسم کی تحریر کی یہ خوبی ہے کہ وہ جس موضوع کا آغاز کرتا ہے اس کی تمام باریکیوں پر تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے اور اس کے بیان کرنے کا انداز اس قدر سادہ ہے کہ پڑھنے والے کے ذہن میں کوئی الجھاؤ باقی نہیں رہتا۔

''تصریف'' کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس کتاب میں دوسری کتابوں کی طرح فلسفیانہ انداز کی بحثیں اور انکشافات نہیں ہیں بلکہ مصنف صرف اپنے موضوع پر رہتا ہے اور اپنے فن کے عملی پہلوؤں کو نظر انداز نہیں کرتا یعنی سرجری میں جن امور سے واقعی واسطہ پڑتا ہے یا پڑ سکتا ہے انھیں پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے اور صرف ایسے پہلوؤں کو وضاحت کے قابل سمجھتا ہے جن کی وضاحت کا کوئی عملی فائدہ ہو۔ یہ خصوصیت مصنف کی ہوش مندی، ذہانت اور موضوع پر دسترس کی عکاسی کرتی ہے۔

غرض ''تصریف'' کی جدت، اولیت، آلاتِ جراحی کی تصاویر، ان کے استعمال کی وضاحت، موضوع کی جامعیت، تفصیل، جزئیات نگاری، سادگی، قوتِ تفہیم، موضوع پر مرکوز رہنا اور غیر مبہم وضاحت اس کتاب کو علم طب کی ایک معتبر، مستند اور شاہکار تصنیف کے درجے پر فائز کرتی ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

1- سبق ''ابوالقاسم زہراوی'' لیا گیا ہے:
(A) ابوالقاسم زہراوی سے (B) حیات جاوید سے (C) نامور مسلم سائنس دان سے (D) سرجری کا بانی سے

2- سبق ''ابوالقاسم زہراوی'' کے مصنف کا نام ہے: (بورڈ 2018ء)
(A) احمد ندیم قاسمی (B) ابن انشا (C) سرسید احمد خاں رحمۃ اللہ علیہ (D) حمید عسکری

3- حمید عسکری پیدا ہوئے:
(A) 1901ء (B) 1907ء (C) 1909ء (D) 1919ء

4- قصرِ زہرا قرطبہ سے کتنے فاصلہ پر تعمیر ہوا:
(A) چار میل (B) ایک میل (C) دو میل (D) پانچ میل

5- زہراوی ابوالقاسم کا ہے:
(A) نام (B) عرف (C) خطاب (D) لقب

6- عبدالرحمان الناصر حکمران تھا:
(A) مراکش کا (B) عرب کا (C) سپین کا (D) ترکی کا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

7- اندلس میں مساجد کی تعداد تھی:

(A) تین ہزار آٹھ سو (B) تین ہزار ایک سو (C) تین ہزار چار سو (D) تین ہزار دو سو

8- عام لوگوں کے مکانات کی تعداد تھی:

(A) ایک لاکھ (B) دو لاکھ (C) چار لاکھ (D) تین لاکھ

9- قرطبہ کی آبادی تھی:

(A) بارہ لاکھ (B) پندرہ لاکھ (C) دس لاکھ (D) آٹھ لاکھ

10- قرطبہ میں سرکاری ہسپتال موجود تھے:

(A) ساٹھ (B) ستّر (C) پچاس (D) چالیس

11- عبدالرحمان الناصر اندلس کا فرمانروا تھا:

(A) نواں (B) آٹھواں (C) ساتواں (D) دسواں

12- قرطبہ کی شاہی لائبریری میں کتابوں کی تعداد تھی: (بورڈ 2016,19ء)

(A) دو لاکھ (B) دو لاکھ سے زائد (C) ایک لاکھ (D) تین لاکھ

13- زھراوی کی کتاب کا نام ہے:

(A) تصریف (B) تعریف (C) حریف (D) حلیف

14- تصریف کے حصے ہیں:

(A) دو (B) تین (C) چار (D) پانچ

15- اہلِ مغرب کو مسلمانوں کے بگاڑنے میں خاص مہارت ہے:

(A) کاموں کو (B) ناموں کو (C) عملوں کو (D) کتابوں کو

16- ڈاکٹر لی کارک نے تصریف کا ترجمہ کیا:

(A) ہندی میں (B) جرمنی میں (C) فرانسیسی میں (D) لاطینی میں

17- تصریف کا لاطینی ترجمہ سب سے پہلے شائع ہوا:

(A) وینس (B) قرطبہ (C) لندن (D) باسل

18- تصریف کا لاطینی ترجمہ شائع ہوا:

(A) 1497ء میں (B) 1498ء میں (C) 1597ء میں (D) 1697ء میں

19- باسل ایڈیشن کی خوبی تھی:

(A) عربی میں تھا (B) لاطینی میں تھا (C) فارسی میں تھا (D) عربی اور لاطینی دونوں میں تھا

20- ''التصریف'' کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کب ہوا؟ (بورڈ 2022)

(A) 1881ء میں (B) 1781ء میں (C) 1892ء میں (D) 1681ء میں

21- ابوالقاسم کے آباواجداد رہنے والے تھے: (بورڈ 2016ء)

(A) مراکش کے (B) عراق کے (C) اندلس کے (D) ترکی کے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

22- ابوالقاسم زہراوی تھا: (بورڈ 2017ء)

(A) حساب دان (B) قانون دان (C) سائنس دان/سرجن (D) جغرافیہ دان

23- زہراوی زیرِ تعلیم رہا:

(A) جرمنی میں (B) قرطبہ یونی ورسٹی میں (C) بغداد میں (D) دمشق میں

24- تصریف یورپ میں مقبول رہی:

(A) سولہویں صدی تک (B) انیسویں صدی تک (C) اٹھارویں صدی تک (D) گیارویں صدی تک

25- زہراوی بانی ہے:

(A) فزکس کا (B) کیمسٹری کا (C) سرجری کا (D) حکمت کا

26- ابوالقاسم کے والد کا نام تھا:

(A) عباس (B) قاسم (C) عبدالرحمان (D) عبداللہ

27- ابوالقاسم نے اہلِ یورپ کو روشناس کرایا:

(A) فن دواسازی سے (B) فنِ کیمیا گری سے (C) فن تعمیرات سے (D) سرجری کے فن سے

28- التصریف کا موضوع کیا ہے: (بورڈ 2018ء)

(A) عملی جراحت (B) طب اور جراحت (C) جراحت (D) میڈیسن

29- ابوالقاسم رہنے والا تھا:

(A) مراکش (B) عرب کا (C) اندلس کا (D) ترکی کا

30- حمید عسکری فوت ہوئے:

(A) 1951ء (B) 1961ء (C) 1971ء (D) 1981ء

جوابات

D	-5	A	-4	C	-3	D	-2	C	-1
C	-10	C	-9	B	-8	A	-7	C	-6
B	-15	B	-14	A	-13	B	-12	B	-11
A	-20	D	-19	A	-18	A	-17	C	-16
C	-25	B	-24	B	-23	C	-22	C	-21
C	-30	C	-29	B	-28	D	-27	A	-26

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

05

ادیب کی عزت

(پریم چند)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
قعرِ گمنامی	گمنامی کا گڑھا، گمنامی کی گہرائی یا انتہا
کسبِ معاش	روزی کمانا
کچی نیند جگا دینا	نیند پوری ہونے سے پہلے جگا دینا
دنیا و مافیہا	دنیا اور اس میں موجود تمام اشیا
فکرِ سخن	شعر کی تخلیق کی سوچ بچار، تخلیقی کام کی فکر
بدرجۂ غایت	حد درجہ، اعلیٰ درجے کا
ہمت شکن	حوصلہ توڑ دینے والا
تلف ہونا	ضائع ہونا، ختم ہونا
رفیقۂ حیات	زندگی کی ہم سفر، بیوی
دل جوئی کرنا	تسلی دینا
حرف گیری کرنا	تنقید کرنا، نقص نکالنا
جان دے کر کام کرنا	بہت سخت محنت کرنا
سرابِ ہستی	زندگی نظر کا دھوکا ہے
پس و پیش نہ ہونا	حیلہ بہانہ نہ ہونا، ہچکچاہٹ نہ ہونا
چراغ جل جانے کے بعد	شام کا اندھیرا ہو جائے اور روشنی کے لیے چراغ جل جائیں تب
ارتقا	بتدریج ترقی کرنا، بالیدگی
میلان	رجحان، مائل ہونا
گنوار	جاہل، ان پڑھ
ڈیل ڈول	قد و قامت

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

بساطی	خوردہ فروش، چھوٹی چھوٹی اشیا بیچنے والا
باچھیں کھلنا	بہت خوش ہونا
آہنی خود	لوہے کی ٹوپی جو دشمن کے وار سے بچنے کے لیے جنگوں میں پہنی جاتی تھی۔
قوس قزح	دھنک، سات رنگوں کا دائرہ
ہجر و وصال	محبوب سے بچھڑنا اور ملنا
بھانڈ	نسب نامہ بتانے یا سنانے والا، تعریف کر کے سب کو لبھانے والا
ٹینی سن	الفریڈ ٹینی سن وکٹوریہ عہد کا برطانوی شاعر تھا۔ اسے کیمبرج سے چانسلر گولڈ میڈل ملا تھا۔
بائرن	جارج گورڈن لارڈ بائرن۔ مشہور برطانوی رومانوی شاعر
شیلے	پرسی بائس شیلے مشہور رومانوی شاعر تھا۔

خلاصہ: **(بورڈ 2012,16,17,18)**

دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز و محور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہلِ ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

قمر صاحب نے صبح کے وقت کئی مرتبہ ابلی ہوئی پتی سے دودھ اور چینی کے بغیر چائے تیار کر کے پی لی۔ اس خیال سے کہ بیوی بے آرام ہوگی اسے نہ جگایا اور اسی چائے کو ناشتا سمجھ کر پھر لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ جو کتاب وہ لکھ رہے تھے اس کے بارے میں ان کا خیال تھا کہ وہ اس صدی کی بہترین تصنیف ہوگی جو انھیں شہرت کی بلندیوں تک پہنچا دے گی۔ بیوی کے بیدار ہونے پر چائے کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کر کے وہ ایک شانِ بے نیازی سے پھر لکھنے میں مصروف ہو گئے۔ انھوں نے ادب کو ذریعہ مُعاش بنا رکھا تھا اور وہ صبح سے رات گئے تک لکھنے میں مصروف رہتے اور اس کوشش میں اپنی صحت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے تھے اور اب انھیں یہ وہم ہو گیا تھا کہ ان کی تحریر میں سرے سے کوئی خوبی ہے ہی نہیں چناں چہ وہ کچھ کچھ مایوس رہنے لگے۔ وہ سوچتے تھے کہ زندگی ضائع ہو گئی تسکین تھی تو محض اپنی رفیقِ حیات کی طرف سے کہ وہ بڑی ایثار پسند خاتون تھی۔ اُس کی بیوی سکینہ نے اپنے افلاس کا کبھی شکوہ نہیں کیا تھا وہ اندر ہی اندر قمر کی حالت پر کڑھتی رہتی لیکن ہمیشہ قمر کو حوصلہ دیتی رہتی تھی۔ کبھی کبھی قمر کو ایسا محسوس ہوتا جیسے لکھنے پڑھنے میں وقت ضائع ہو رہا ہے وہ گھومنے پھرنے اور ہوا کھانے کو بھی عیاشی سمجھتے۔ ان کی بیوی ان کے منہ سے ایسی باتیں سنتی تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔ دراصل قمر صاحب مایوسی کی آخری حد تک جا پہنچے تھے۔

ایک بار شہر کے کسی رئیس کے یہاں ایک تقریب تھی۔ قمر کو بھی شرکت کا دعوت نامہ ملا، جسے پا کر وہ پھولے نہ سمائے اور دعوت کے خیالات میں کھو کر سارا دن اس کا لطف اٹھاتے رہے۔ اس موقع کے لیے انھوں نے ایک نظم بھی تیار کی جس میں انھوں نے زندگی کو ایک باغ سے تشبیہ دی صرف اس لیے کہ وہ جن لوگوں کو یہ نظم سنانے جا رہے تھے ان کے لیے زندگی ایسی ہی تھی۔ دوپہر ہی سے انھوں نے تیاریاں شروع کیں، حلیہ درست کیا، سر میں تیل ڈالا مگر دقت کپڑوں کی تھی۔ عرصہ ہوا انھوں نے ایک اچکن بنوائی تھی جو بے حد بوسیدہ ہو چکی تھی اسی لیے ان کی بیوی نے انھیں اس تقریب میں شریک ہونے سے روکا کیوں کہ ان کے پاس ڈھنگ کا لباس نہ تھا لیکن قمر نے ایک نہ سنی اور یہ سوچ کر کہ راجا صاحب

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ان کے قدر دان ہیں، تقریب میں شرکت کے لیے تیار ہو گئے۔

شام کے وقت قمر اپنی پھٹی پرانی اچکن اور بے تکی سی ٹوپی پہنے گھر سے نکلے۔ وہ خلاف معمول دکان داروں کی نظروں سے بچ کر چلنے کی بجائے بڑے غرور سے بازار میں گھومنے لگے لیکن جب کوئی ان کی طرف متوجہ نہ ہوا تو وہ خود ہی ایک بساطی حافظ صمد اور ایک کپڑا بیچنے والے کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ ان دونوں نے قرض کی واپسی کا مطالبہ کیا مگر قمر نے راجا صاحب کے یہاں تقریب میں شرکت کا تذکرہ اس انداز سے کیا کہ دونوں دکان دار مرعوب ہو گئے اور کوئی تقاضا نہ کیا۔

راجا صاحب کے یہاں پہنچنے پر ان کی وضع قطع دیکھ کر ان سے دعوتی کارڈ طلب کیا گیا تو وہ ناراض ہو گئے اور واپس جانے کی دھمکی دی۔ استقبال کرنے والے نے معذرت کر کے انھیں اندر بھیج دیا جہاں بارہ دری کے وسیع احاطے کی سجاوٹ قابل دید تھی۔ راجا صاحب کے بنگلے میں امیروں اور رئیسوں کی موٹریں کھڑی تھیں۔ راجا صاحب نے ان کا خیر مقدم کیا ان کے لیے چند تعریفی کلمات کہے اور اپنے چند احباب سے ان کا تعارف بھی کرایا لیکن کسی نے انھیں اہمیت نہ دی۔ ایک صاحب نے جو انگریزی لباس میں ملبوس تھے قمر کو ایسی نگاہوں سے دیکھا گویا وہ چڑیا گھر کا کوئی جانور ہو اور انھیں مشورہ دیا کہ وہ بائرن، شیلے یا ٹینی سن میں سے کسی کی تخلیقات اردو میں منتقل کر دیں تو ادب کی بڑی خدمت ہو گی۔ انگریزی پوش اور قمر صاحب نے مغربی اور مشرقی ادب پر کچھ بحث بھی کی۔ بیش تر مہمان تعارف کے بعد طنزیہ انداز میں ''اچھا آپ شاعر ہیں'' کہہ کر آگے بڑھ جاتے۔ ہر بار قمر کے دل پر چوٹ سی لگتی۔ انھیں دعوت میں شرکت کرنے کے فیصلے پر ندامت سی ہونے لگی۔ جب ان سے استقبالیہ نظم کی فرمائش کی گئی تو قمر کی برداشت سے باہر ہو گیا اور وہ تقریب سے واپس اپنے گھر چلے آئے۔ انھیں یہ احساس ہو گیا تھا کہ ان کا اپنا جھونپڑا ہی ان کے لیے جنت ہے۔ ادب کی تخلیق عبادت ہے اور ان کی مثال چراغ کی سی ہے جس کا کام صرف جلنا ہے۔ (آخری تحفہ)

.....

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''ہر شخص کے دل میں اعزاز و احترام کی بھوک ہوتی ہے۔ تم پوچھو گی یہ بھوک کیوں ہوتی ہے؟ اس لیے کہ یہ ہماری روح کے ارتقا کی ایک منزل ہے۔ ہم اس عظیم الشان طاقت کا لطیف حصہ ہیں جو ساری دنیا میں حاضر و ناظر ہے۔ جزو میں کل کی خوبیاں ہونا لازمی امر ہے۔ اس لیے جاہ و رفعت علم و فضل کی جانب ہمارا فطری میلان ہے۔ میں اس ہوس کو معیوب نہیں سمجھتا۔ ہاں! چوں کہ دل میں ضعف ہے۔ اہلِ دنیا کی حرف گیریوں کا خیال قدم قدم پر دامن گیر ہو جاتا ہے۔''

(بورڈ 2007-2010-2011)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق و سباق:

حضرت قمر اپنی تنگ دستی کے باوجود ادب کی خدمت کر رہے تھے۔ وہ ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے جو اُن کے خیال کے مطابق انھیں مشہور کر دے گی۔ اُنھیں تو دنیا سے شکوہ تھا لیکن ان کی بیوی سکینہ قناعت اور ایثار کا مجسمہ تھی۔ وہ ان کی دلجوئی کرتی اور امید دلاتی تھی۔ شہر کے ایک رئیس نے حضرت قمر کو اپنے یہاں ایک تقریب میں مدعو کیا تو ڈھنگ کا لباس نہ ہونے کے سبب سکینہ نے جانے سے روکا مگر قمر اپنی عزت افزائی کے طلب گار تھے۔ وہ پھٹی پرانی اُچکن پہن کر گھر سے نکلے اور بازار میں حافظ صمد بساطی والے اور ایک کپڑے والے کی دکان پر رکے۔ جب قمر راجا صاحب کی محفل میں پہنچے تو اُنھیں دربان سمیت ہر شخص نے ذلت آمیز نظروں سے دیکھا تب اُن کی آنکھیں کھلیں۔ وہ تقریب سے اپنی نظم سنائے بغیر گھر واپس آ گئے۔ تب اُنھیں اپنا اطمینان کا جھونپڑا جنت محسوس ہونے لگا۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز و محور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہل ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیر تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ اثبات ذات کی خواہش ہر انسان میں فطری طور پر موجود ہوتی ہے۔ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، امیر ہو یا غریب ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے اہمیت دی جائے۔ جہاں وہ موجود ہو لوگ اس کی موجودگی کو محسوس کریں۔ فنکار، دانش ور، مصور، ادیب، شاعر اپنے فن کا اظہار اور اس کی قدر دانی کے زیادہ خواہش مند ہوتے ہیں۔ قمر صاحب ایک شاعر تھے۔ ان میں بھی یہ خواہش موجود تھی۔ جب رئیسِ شہر نے تقریب میں بلایا تو نظر انداز کیے ہوئے اسی گوشہ نشین اور قناعت پسند شاعر کے دل میں عزت افزائی کا احساس جاگا اور اس نے اس احساس کو خود تک محدود رکھنے کی بجائے پورے شہر کو اس میں شریک کرنا چاہا۔ اسی لیے جن قرض خواہوں سے وہ کئی مہینوں سے چھپتا پھرتا تھا۔ ان کے پاس جا جا کر رئیس کے بلاوے کا تذکرہ کیا اور اس طرح اس کی روح کو اطمینان، تفاخر اور مسرت محسوس ہوئی۔ وہ شاعر تھا اور اس حقیقت کو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ نمایاں نظر آنے کی خواہش شاید انسانی فطرت میں ہے۔ اس لیے اس نے بیوی کے روکنے پر بھی تقریب میں جانے کا یہ جواز پیش کیا کہ عزت اور احترام کی خواہش ہر شخص کے دل میں ہوتی ہے۔ پیٹ کی بھوک مٹانے کے بعد یہی بھوک انسان کو طرح طرح کے کام کر کے نمایاں ہونے پر اکساتی ہے۔ یہ ہے بھی درست۔ تاریخِ انسانی میں طرح طرح کے خطرناک کام سرانجام دینے اور جان جوکھوں میں ڈال کر شہرت کے طالب انسانوں نے اس خیال کو سچ ثابت کیا ہے۔ آج بھی لوگ گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام شامل کرانے کے لیے خطرناک سے خطرناک کام کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ قمر صاحب کے نزدیک اس خواہش کا سبب یہ ہے کہ روحانی درجوں کو طے کرتے ہوئے ایک منزل یہ بھی آتی ہے۔ قمر صاحب کے بقول ساری دنیا میں حاضر ناظر طاقت یعنی خدا نے بھی اپنی پہچان اور جانے جانے کے لیے دنیا پیدا کی تو پھر اس کل کی یہ صفت اس کے جزو یعنی انسان میں بھی لازماً پائی جائے گی۔ صوفیا کے بقول انسان اس کل کا ایک جزو ہے تو پھر جزو میں اپنی شناخت، پہچان، اعزاز اور احترام کی خواہش ناگزیر ہے۔ شاید اسی لیے انسان شان و شوکت، بلندی، علم اور فضیلت کی طرف فطری طور پر مائل ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک طرح کی ہوس ہے، بھوک ہے مگر پریم چند نے قمر صاحب کے نقطۂ نظر سے معیوب نہیں کہلوایا۔ اس لیے کہ فطری خواہش کی تکمیل پریم چند کے خیال میں معیوب نہیں ہوتی۔ پریم چند ترقی پسند شاعر اور ادیب تھے اور وہ غریب، پسماندہ اور استحصال کے شکار انسانوں کے جذبات کی ترجمانی کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے مراعات یافتہ طبقے کے برابر مقام دلانے کے لیے وہ تمام انسانوں میں پائی جانے والی یکساں خواہشات کا ذکر چھیڑتے ہیں۔ جس طرح کسی صاحب اقتدار اور دولت والے کو اعزاز و اکرام کی خواہش ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک عرصے تک ترک اور تیاگ کے عادی کسی مفلس کے دل میں بھی یہی خواہش بیدار ہو سکتی ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی فطری خواہش ہے۔ جس طرح کسی دولت والے سے اس کا یہ حق نہیں چھینا جا سکتا، اسی طرح کسی بے زر کو بھی اس کے اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا لیکن ہماری معاشرتی قدریں اور خود ساختہ پیمانے یہاں ڈنڈی مار جاتے ہیں۔ امیر دولت اور اقتدار کے ساتھ ساتھ شہرت، عزت اور ناموری کے مزے بھی لوٹتا ہے جب کہ غریب اعزاز و احترام کی تمنا بھی کرے تو قدم قدم پر خود اس کے اپنے دل کی کمزوری دنیا والوں کے تمسخر اور حرف گیری سے خوف زدہ کرتی رہتی ہے۔

.....

اقتباس: ''قمر اپنے اوپر جھنجھلا رہے تھے۔ دعوتی کارڈ پا کر وہ پھولے نہ سمائے تھے لیکن یہاں آ کر ان کی جس قدر تذلیل ہوئی اس کو دیکھ کر اپنا اطمینان کا جھونپڑا جنت سے کم نہ تھا۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو طعن کی۔ ''تمھارے جیسے عزت کے ہوس مندوں کی یہی سزا ہے۔ اب تو آنکھیں کھلیں کہ تم کتنی عزت کے مستحق ہو۔ تم خود اس غرض مند دنیا میں کسی کے کام نہیں آ سکتے۔ وکیل تمھارا احترام کیوں کریں؟ تم ان کے موکل نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر اور حکیم تمھاری طرف کیوں دیکھیں؟ انھیں بغیر فیس کے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ تم لکھنے کے لیے بنے ہو۔ لکھتے جاؤ۔ اس دنیا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

میں تمھارا اور کوئی مصرف نہیں۔"

(بورڈ 2018ء)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق وسباق:

حضرت قمر اپنی تنگ دستی کے باوجود ادب کی خدمت کر رہے تھے۔ وہ ایک کتاب لکھنے میں مصروف تھے جو اُن کے خیال کے مطابق انھیں مشہور کر دے گی۔ اُنھیں تو دنیا سے شکوہ تھا لیکن ان کی بیوی سکینہ قناعت اور ایثار کا مجسمہ تھی۔ وہ ان کی دلجوئی کرتی اور امید دلاتی تھی۔ شہر کے ایک رئیس نے حضرت قمر کو اپنے یہاں ایک تقریب میں مدعو کیا تو ڈھنگ کا لباس نہ ہونے کے سبب سکینہ نے جانے سے روکا مگر قمر اپنی عزت افزائی کے طلب گار تھے۔ وہ پھٹی پرانی اُچکن پہن کر گھر سے نکلے اور بازار میں حافظ صمد بساطی والے اور ایک کپڑے والے کی دکان پر رکے۔ جب قمر راجہ صاحب کی محفل میں پہنچے تو اُنھیں دربان سمیت ہر شخص نے ذلت آمیز نظروں سے دیکھا تب اُن کی آنکھیں کھلیں۔ وہ تقریب سے اپنی نظم سنائے بغیر گھر واپس آ گئے۔ تب اُنھیں اپنا اطمینان کا جھونپڑا جنت محسوس ہونے لگا۔

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز ومحور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہلِ ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف قمر کی ذہنی کیفیت کی عکاسی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب قمر کی راجا صاحب کی محفل میں شمولیت کا دعوتی کارڈ ملا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ تھی۔ وہ سمجھے کہ ان کے تخلیقی کام کی عزت افزائی اور پذیرائی کرتے ہوئے انھیں امرا کی محفل میں مدعو کیا گیا ہے۔ وہاں بڑے بڑے لوگوں سے ان کا ربط ضبط ہوگا تو ان کے تعلقات اور عزت میں اضافہ ہوگا۔ داد خواہی شاعر اور ادیب کی سرشت میں شامل ہے لیکن زمینی حقائق ان کی خیالی دنیا سے کہیں مختلف تھے۔ جس سے بھی ان کا تعارف کروایا جاتا، وہ ہتک آمیز انداز میں قمر کو دیکھتا اور سلوک کرتا۔ اس محفل میں آ کر بے انتہا تذلیل ہوئی تھی۔ ان کی غربت وعسرت امرا کے نزدیک لائق حقارت تھی۔ یوں بھی امرا کے ہاں دولت کی قدر ہے، فن کی نہیں۔

میری غربت نے اڑایا ہے میرے فن کا مذاق
تیری دولت نے تیرے عیب چھپا رکھے ہیں

پچھلے دو سو سالوں میں انگریزی معاشرت، کھانے پینے کے آداب اور مغربی تہذیب نے مشرقی روایات کو پامال کر دیا۔ اب محبت، خلوص، صلۂ رحمی، انسانیت نوازی کی بجائے مادی چمک دمک اہمیت اختیار کر چکی ہے۔ لوگ غریب رشتہ دار کو چھوڑ دیتے ہیں۔ قمر تو پھر پرائے تھے۔ اسی لیے حضرت قمر کو رسوائی کا سامنا کرنا پڑا۔ اب وہ پچھتا رہے تھے کہ اس محفل میں گئے ہی کیوں۔ اس مقامِ ذلت کی بجائے وہ ٹوٹا پھوٹا جھونپڑا اچھا تھا جہاں سکون تھا۔ دراصل وہ خود کلامی کے انداز میں سوچ رہے تھے کہ اس دنیا میں تعلق اور عزت کے معیار ہیں۔ وکیل اس کا زیادہ احترام کرتے ہیں جو کل ان کا موکل بن کر ان کی جیب بھر سکے۔ ڈاکٹر اس کا احترام کرتے ہیں جو کل ان کو فیس دے کر ان سے معائنہ کروائے۔ تاجر اسی کی عزت افزائی کرتے ہیں جس سے کاروباری معاملات میں مدد مل سکتی ہو۔ یہ مطلب کی دنیا ہے۔ حضرت قمر سے بھلا دنیا کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا تھا۔ ایک بے کس، مفلس اور قلاش ادیب جس نے کئی دکان داروں کا ادھار اس لیے نہیں دیا تھا کہ پیسے ہی نہ تھے۔ اس لیے وہ سوچ رہے تھے کہ انھیں اس محفل میں آنا ہی نہ چاہیے تھا۔ بقول داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ:

"جہاں تمھاری عزت کا پاس نہ ہو وہاں ہرگز نہ جاؤ۔"

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

حضرت قمر اپنے آپ کو کوس رہے تھے کہ تمھارے جیسے عزت کے بھوکے لوگوں کی یہی سزا ہے۔ اب حقیقت پتا چلی کہ تمھارے جیسوں کا امرا کے نزدیک کیا مقام ہے؟ حضرت قمر نے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے فیصلہ کیا کہ آئندہ ایسی محفل میں نہیں جائیں گے۔ ادیب کا کام لکھنا ہے۔ چراغ کی طرح جل کر دوسروں کو روشنی دینا ہے۔ اس لیے تخلیقی سفر جاری رکھے۔ یہ دنیا غریبوں کی نہیں۔ مشہور بات ہے:

''امیر آدمی اپنی انا کی تسکین کے لیے ہمیشہ غریب کا مذاق اڑاتا ہے۔''

.....

اقتباس: ''انھوں نے اپنے آپ کو طعن کی۔ ''تمھارے جیسے عزت کے ہوس مندوں کی یہی سزا ہے۔ اب تو آنکھیں کھلیں کہ تم کتنی عزت کے مستحق ہو۔ تم خود اس غرض مند دنیا میں کسی کے کام نہیں آسکتے۔ وکیل تمھارا احترام کیوں کریں؟ تم ان کے مُوکل نہیں ہو سکتے۔ ڈاکٹر اور حکیم تمھاری طرف کیوں دیکھیں؟ انھیں بغیر فیس کے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ تم لکھنے کے لیے بنے ہو۔ لکھتے جاؤ۔ اس دنیا میں تمھارا اور کوئی مصرف نہیں''۔

حوالۂ متن :- **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز ومحور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہل ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ قمر صاحب صلے اور تعریف کی خواہش کے بغیر ہی ادب کی خدمت کیے جا رہے تھے۔ اس لیے کسی کی خوشنودی کبھی ان کے پیش نظر نہیں رہی تھی۔ رئیس کی محفل میں جانے کے بعد تعارف کا مرحلہ آیا تو ان کے فن کے حوالے سے سوال آن پڑا کہ وہ انگریزی شاعری اور شاعروں کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ سوال کرنے والا بھی اپنے طبقے میں نمایاں ہونے کی خواہش کا مارا تھا۔ اسے قمر صاحب سے اپنے نقطۂ نظر کی حمایت میں جواب چاہیے تھا تاکہ ان کی معلومات، علم دوستی اور ذوق کی تعریف ہوتی۔ اس طرف قمر صاحب کو بھی اپنے مقام کا تحفظ مقصود تھا۔ اس لیے انھوں نے انگریز شاعروں کے مقابلے میں ہندوستانی شاعروں کی وکالت کی۔ محفل اور میزبان کی نظر میں سوال کرنے والا چوں کہ باہر سے ہو کر آیا تھا اور اس زمانے میں ولایت سے ہو کر آنا بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس لیے قمر صاحب سب کی نظروں سے گر گئے۔ اہلِ محفل سب کے سب سرمایہ دار، رئیس اور دولت مند تھے۔ اس لیے عزت، اعزاز اور اہمیت کے مستحق تھے۔ ان میں بوسیدہ اچکن والا شاعر محفل میں بیٹھنے کا محض ایک جواز رکھتا تھا یعنی اپنے ہنر، فنِ شاعری کو سرمایہ دار طبقہ کی تعریف اور توصیف کے لیے استعمال کرے۔ ان کی شان میں شعر کہے، ان کی توصیف میں نظم لکھ لائے اور جب قمر صاحب نظم سے بھی مکر گئے تو ان کا وجود سرمایہ دار طبقے کے لیے بے مصرف اور بے فائدہ ہی نہیں بوجھ بھی بننے لگا۔ چناں چہ بہت تذلیل ہوئی۔ ہر ایک نے اس سے شاعر ہونے کے حوالے سے یوں پوچھا جیسے وہ دنیا میں سب سے کم تر اور رذیل ہے۔ اس ذلت کے بعد قمر صاحب کو خود پر بہت غصہ آرہا تھا کہ خواہ مخواہ اپنی بے نیازی کی دولت قربان کی، فضول میں صبر وشکر کی روش ترک کی۔ ایک شاعر کو عزت کی ہوس اور اعزاز کی خواہش زیبا نہیں۔ اس کا کام تو ستائش کی تمنا اور صلے کی پروا کیے بغیر فقط اپنا فرض نبھائے جانا ہے اور جب تک کوئی شاعر یا ادیب اس خلوص کے ساتھ تخلیق کے عمل میں مگن رہتا ہے اسے عزت ملتی رہتی ہے۔ یہ عزت خود اس کا اپنا باطن، اس کا ضمیر اسے دیتا ہے اطمینان اور طمانیت کے احساس کی صورت میں۔ اور جب کوئی شاعر یا ادیب اس سرمایہ دارانہ نظام میں جکڑے معاشرے سے اعزاز کا طالب ہوتا ہے تو اپنی حقیقی اور اصلی عزت بھی گنوا بیٹھتا ہے۔ پریم چند کے دور میں بھی ادب اور معاشرے کے درمیان اس کمٹمنٹ کا مسئلہ

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

درپیش تھا اور آج بھی ایسا ہی ہے۔ یہ احساس بعض فنکاروں کو اس وقت ہوتا ہے جب وہ سرمایہ دارانہ نظام میں اپنی جگہ بنانے، اعزاز پانے اور اپنی وابستگی اور نسبت دولت والوں سے قائم کرنے کے شوق میں آگے بڑھتے ہیں مگر اپنے مقام سے بھی بہت پیچھے جا گرتے ہیں۔ اس وقت انھیں ہوش آتا ہے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ اس طرح عزت پانے کی خواہش میں مبتلا لوگوں کی یہی سزا ہوتی ہے۔ پورا معاشرہ غرض مند ہے۔ وکیل سے کسی کو کوئی کام پڑ سکتا ہے۔ ڈاکٹر کسی کے کام آ سکتا ہے۔ حکیم کام آ سکتا ہے۔ شاعر بھلا کسی کے کیا کام آ سکتا ہے۔ لے دے کے شاعر کا کام یہی رہ جاتا ہے کہ وہ بے غرض ہو کر لکھتا رہے۔ اس لیے کہ اس کو قدرت نے اس کام کے لیے منتخب کیا ہے۔ اسے چاہیے کہ بے نیازی کے ساتھ اپنے اس کام میں مگن رہے اور جہاں وہ نیاز مندی کا شکار ہوگا۔ اعزاز و اکرام، خلعت، خطابات، القاب، میڈلز اور ایوارڈوں کے پیچھے بھاگے گا تو اپنے مقام سے گر جائے گا۔ آج کی صورتِ حال پر غور کریں تو ہماری شاعر برادری کا بڑا حصہ انھی اعزازات کے پیچھے دوڑنے میں مصروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر کی شاعری سے اثر ختم ہو گیا ہے اور اس کی شاعری محض الفاظ کا گورکھ دھندا بن کر رہ گئی ہے۔ جس میں روح نام کی کوئی چیز نہیں۔

.....

اقتباس: اس بے نیازی کی شان سے جو ادیبوں کی امتیازی صفت ہے، انھوں نے کسبِ معاش کے کسی اور ذریعہ کی طرف توجہ نہ کی۔ اس بیماری میں جسم گھل گیا۔ صحت گھل گئی اور چالیس سال کی عمر ہی میں بڑھاپے نے آ کر گھیر لیا مگر یہ مرض لاعلاج ہے۔ طلوع آفتاب سے آدھی رات تک یہ ادب کا پجاری دنیا و مافیہا سے بے خبر فکرِ سخن میں غرق رہتا۔ اب انھیں یہ شبہ ہونے لگا تھا کہ میرے مضامین میں کوئی خوبی کوئی معنی ہی نہیں، اور یہ انکشاف بدرجہ غایت ہمت شکن تھا۔ یہ عمر عزیز یوں تلف ہو گئی۔ یہ تسکین بھی نہیں کہ دنیا نے ناقدری کی ہو مگر ان کا کارنامہ حیات حقیر نہیں۔

(بورڈ 2011)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز و محور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہلِ ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ حضرت قمر اگرچہ مفلس و تنگ دست تھے لیکن شب و روز ادب کی خدمت میں مصروف رہتے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ وہ اعلیٰ پائے کے ادیب ہیں ادیب معاشرے کا سب سے باشعور اور حساس فرد ہوتا ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ناہمواریوں کا مشاہدہ کرتا ہے ان کی اصلاح کے لیے اپنی ذہنی صلاحیتوں سے کام لیتا ہے۔ صلہ و ستائش کی پروا کیے بغیر اپنی تحریروں میں اُلجھا رہتا ہے اور کسی دوسرے کو خاطر میں نہیں لاتا یہ صفت ادیبوں کو دوسروں سے ممتاز اور نمایاں کرتی ہے۔ حضرت قمر کو بھی یہی احساس کسی دوسرے کام میں مگن نہیں ہونے دیتا تھا وہ پچھلے بیس سالوں سے قلم کی مشقت میں مصروف تھے۔ اس محنت کے باعث انھوں نے روزی کے حصول کے لیے کسی اور کام کی طرف توجہ نہ کی۔ گھر میں غربت تھی ان کی بیوی سکینہ بھی مفلسی کی اسی چکی میں پس رہی تھی۔ لیکن شکوہ نہ کرتی یہ ساری صورتحال حضرت قمر کے سامنے تھی لہٰذا غربت اور تفکرات کے باعث چالیس سال کی عمر میں بڑھاپے نے آن گھیرا۔ صحت خراب ہوئی، جسم کمزور ہو گیا۔

قمر سورج طلوع ہوتے ہی لکھنے بیٹھ جاتے۔ گھر کے مسائل بڑھتے جا رہے تھے لیکن وہ سارا دن لکھنے میں مصروف رہتے۔ یہاں تک کہ رات ڈھلنے لگتی۔ دنیا کی دل چسپیوں سے بے نیاز وہ اس کتاب کی تیاری میں مگن رہتے جو ان کے خیال میں اپنے دور کی بہترین تحریر ہوگی اور انھیں

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

شہرت کی بلندیوں پر پہنچادے گی۔ وہ اپنے گردوپیش سے بے نیاز شعروادب کی تحریروں میں کھوئے رہتے۔ اس ماحول میں وہ اپنی ذات سے بھی بے گانہ ہوگئے لیکن جب انھیں اپنی تخلیقات کا کوئی نتیجہ نظر نہ آیا تو انھیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں پر شک ہونے لگا کہ شاید ان کی تحریر میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ ایک حساس اور باشعور شخص کی ذہنی صلاحیتیں ہر لمحے نئی فکر میں لگی رہتی ہیں۔ چناں چہ یہ سوچ اس کے حوصلوں کو پست کرنے والی تھی کہ اہلِ دنیا نے قدر نہیں کی جس معاشرے میں ادب اور ادیب کی قدر نہ ہو وہاں ادیب محرومیوں اور ناکامیوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی احساس حضرت قمر کے لیے حوصلہ شکن تھا۔ انھیں شبہ ہونے لگا کہ شاید ان کے مضامین میں کوئی خوبی نہیں۔ زندگی کی تمام دل چسپیوں کو چھوڑا، لذتوں سے منھ موڑا، صحت کو داؤ پر لگایا تب بھی لوگ قدر نہیں کرتے۔ زندگی برباد ہوگئی لیکن ابھی تک تو ان کی کتاب منظرِ عام پر نہیں آئی جس کو لکھنے میں وہ پچھلے بیس برسوں سے مصروف ہیں۔ غربت اور تنگ دستی کے باعث زندگی کی بنیادی ضروریات بھی پوری نہیں ہو رہی تھی۔ زہد و تقویٰ میں تو سب کچھ موجود ہوتے ہوئے انسان ترک کرتا ہے لیکن تنگ دستی میں تو ایسا موقع ہی نہیں آتا کہ انسان دنیا سے لطف اندوز ہو سکے۔ حضرت قمر کے ساتھ بھی حالات نے ایسا ہی مذاق کیا لیکن وہ ثابت قدم رہے اور مسلسل معاشرے کی خدمت کرتے رہے۔

.....

اقتباس: ایک رئیس کے یہاں کوئی تقریب ہے۔ اس نے حضرت قمر کو بھی مدعو کیا ہے۔ آج ان کا دل خوشی کے گھوڑے پر بیٹھا ہوا ناچ رہا ہے۔ سارے دن وہ اسی تخیل میں محو رہے۔ راجا صاحب کن الفاظ میں ان کا خیر مقدم کریں گے اور وہ کن الفاظ میں ان کا جواب دیں گے۔ کن مضامین پر گفتگو ہوگی اور کن کن اصحاب سے ان کا تعارف کرایا جائے گا۔ سارا دن وہ انھی خیالات کے لطف اٹھاتے رہے۔ اس موقع کے لیے انھوں نے ایک نظم بھی تیار جس میں انھوں نے زندگی کو ایک باغ سے تشبیہ دی تھی۔ سرابِ ہستی ان کے زورِ طبع کے لیے زیادہ موزوں چیز تھی مگر وہ آج رئیسوں کے جذبات کو ٹھیس نہ لگا سکتے تھے۔

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز ومحور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہل ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ شہر کے رئیس کے یہاں ایک دعوت کا اہتمام ہے جس میں انھوں نے حضرت قمر کو بھی بُلایا ہے۔ راجہ صاحب کا شمار شہر کے امیر ترین لوگوں میں ہوتا تھا۔ حضرت قمر کے مطابق ان کی سالانہ آمدن بیس لاکھ روپے تھی۔ مکان، دکانات، ٹھیکہ اور امانتی روپے کے علاوہ انگریز سرکار کے نگاہ میں بھی معتبر سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے اپنے ایک عزیز (جو لندن سے اعلیٰ ڈگری لے کر آرہے تھے) کے اعزاز میں اس دعوت کا اہتمام کیا تھا اور اس دور کی روایت کے مطابق کسی ادیب اور شاعر کو بھی بُلایا جاتا تا کہ اس کے کلام سے حاضرین مجلس لطف اندوز ہو سکیں۔ چناں چہ جب حضرت قمر کو دعوت نامہ ملا تو بہت خوش ہوئے۔ پریم چند کی تحریر کی یہ فنی خوبی ہے کہ وہ موقع محل کی مناسبت سے محاورے اور ضرب الامثال استعمال کرتے ہیں جو تحریر کو بامعنی بناتے ہیں۔ حضرت قمر دعوتی کارڈ پا کر پھولے نہیں سما رہے تھے۔ وہ آنے والے لمحات سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ سارا دن یہی سوچتے رہے کہ راجہ صاحب کن لفظوں میں اُن کا استقبال کریں گے اور کن کن موضوعات پر گفتگو ہوگی۔ قمر کو اپنے کلام کی تاثیر اور شہرت کا حد درجہ احساس تھا ان کا خیال تھا کہ شہر کا معتبر اور مشہور ادیب ہوں لوگ میرے کلام کی بہت تعریف کریں گے اور حقیقت یہی ہے کہ ہر ادیب اور شاعر اپنے بارے میں یہی زعم رکھتا ہے اور حضرت قمر کچھ زیادہ ہی خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ شہر کے لوگوں سے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ان کا تعارف کرایا جائے گا۔

قمر اس موقع کی تاک میں تھے کہ کسی جگہ لوگ جمع ہوں اور وہ اپنا کلام سنائیں۔ لوگ تعریف وستائش کے پُل باندھیں اور انھیں روحانی تقویت ملے۔ سارا دن وہ یہی سوچ سوچ کر لطف اُٹھاتے رہے۔ اس موقع کے لیے انھوں نے ایک نظم بھی تیار کی جس میں انھوں نے زندگی کو باغ سے تشبیہ دی تھی کہ زندگی ایک گلستان کی مانند ہے جس میں ہر لمحے بہار کا سماں ہے ہر لطف آرام و آسائش کے پھول کھلے ہیں اور امیر لوگ ہاتھوں میں جام لیے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔ حالاں کہ ان کی طبیعت کا رجحان حقیقت پسندانہ خیالات کی طرف تھا اور ''سراب ہستی'' ان کے نزدیک زیادہ موزوں چیز تھی کیوں کہ زندگی کو اگر سراب (دھوکا) سے تشبیہ دی جائے تو غلط نہ ہوگا۔ جس طرح کوئی پیاسا ریگستان میں پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا ہے اور جہاں سورج کی چمک ریت کو پانی کے چشمے کی مانند دکھاتی ہے اسی کی طرف بھاگتا ہے۔ مگر جب قریب پہنچتا ہے تو کچھ نہیں۔ اسی طرح ہم بھی ساری زندگی خواہشات کے پیچھے بھاگتے رہتے ہیں لیکن محرومیاں اور ناکامیاں ہمارا پیچھا کرتی رہتی ہیں۔ یہی موضوع حضرت قمر کے نزدیک بہتر تھا۔ لیکن آج وہ امیر لوگوں کے جذبات کو ٹھیس نہیں لگا سکتے کیوں کہ امیر تو زندگی کو گلستان سمجھتے ہیں اور ساری زندگی اس سراب کے گرد و پیش میں رہتے ہیں۔ لہٰذا آج حضرت قمر موقع محل کی مناسبت سے اپنی طبیعت کے خلاف کلام سنانا چاہتے تھے۔

اقتباس: شام کے وقت حضرت قمر اپنی پھٹی پرانی اچکن، سڑے ہوئے جوتے اور بے تکی سی ٹوپی پہنے گھر سے نکلے تو گنوار اُچکے سے معلوم ہوتے تھے۔ ڈیل ڈول اور چہرے مہرے کے آدمی ہوتے تو اس ٹھاٹھ میں بھی ایک شان ہوتی۔ فربہی بجائے خود بارعب شے ہے مگر ادبی خدمت اور فربہی میں خدا واسطے کا بیر ہے۔ اگر کوئی ادیب موٹا تازہ ہے تو سمجھ لیجیے کہ اس میں سوز نہیں، لوچ نہیں، دل نہیں۔ پھر بھی اکڑے جاتے تھے۔ ایک ایک عضو سے غرور ٹپکتا تھا۔ (بورڈ 2017ء)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** ادیب کی عزت

مصنف کا نام: پریم چند

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: دھنپت رائے المعروف پریم چند کا شمار اردو ادب کے اولین افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ وہ ترقی پسند تحریک کے پہلے صدر تھے۔ معاشرتی مسائل ان کے افسانوں کا مرکز ومحور تھے۔ سبق ادیب کی عزت ان کا معروف افسانہ ہے جس میں یہ پہلو اجاگر کیا گیا ہے کہ ادیب کا کام چراغ بن کر جلنا اور روشنی دینا ہے اس کے لیے اہل ثروت سے عزت کی امید کارِ فضول ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ انسان کا پہلا تعارف اس کی ظاہری شکل وصورت، وضع قطع اور لباس ہوتا ہے۔ لباس سے انسان کی مالی حالت کا ہی اندازہ نہیں ہوتا، اس کی جمالیات کے بارے میں بھی معلوم ہوتا ہے اور اس کی پسند اور ناپسند کے بارے میں بھی پتا چلتا ہے۔ حضرت قمر کو شہر کے رئیس نے اپنے یہاں آنے کی دعوت دی تو وہ خوش تو بہت ہوئے لیکن ان کے پاس ڈھنگ کا لباس موجود نہیں تھا۔ بیوی نے اسی وجہ سے انھیں منع کیا کہ وہ تقریب میں نہ جائیں لیکن حضرت قمر کو اپنی شاعری کا زعم تھا اس کے لیے شام کو تقریب میں شریک ہونے کے لیے نکلے تو انھیں دیکھ کر کوئی اچھا تاثر پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ انھوں نے جو اچکن پہن رکھی تھی وہ پھٹی پرانی تھی جوتے بے ڈول اور بدہیت ہو چکے تھے اور جو ٹوپی انھوں نے سر پر پہن رکھی تھی وہ بھی بے تکی اور بے ڈھنگی سی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے کوئی اجڈ یا اچکا جا رہا ہے۔ اگر انسان کسی دوسرے فرد کو جانتا نہ ہو۔ اس کی صلاحیتوں اور صفات سے آگاہ نہ ہو تو وہ اس کے ظاہری حلیے سے ہی اس کے بارے میں اندازہ قائم کرتا ہے اور حضرت قمر کا ظاہری حلیہ انھیں ایک اچھا تخلیق کار ثابت کرنے کے بجائے چورا اچکا ثابت کر رہا تھا۔ ان کے اس ظاہری تاثر کا ایک سبب ان کی کمزور جسمانی حالت بھی تھی اگر انسان موٹا تازہ ہو تو دیکھنے والے اس کی صحت وتنومندی دیکھ کر بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ ان کا دھیان اور توجہ اس کے لباس پر نہیں

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پڑتی لیکن حضرت قمر کے یہاں یہ نعمت بھی موجود نہیں تھی۔ مصنف اس کا سبب یہ بتاتے ہیں کہ شعروادب اور صحت وتنومندی میں خداواسطے کا بیر ہے عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے، شاعر حضرات دبلے پتلے، دھان پان سے ہوتے ہیں اور اگر کوئی شاعر موٹا تازہ ہو تو یہ سمجھنا چاہیے کہ اس کا کلام عمدہ صفات سے محروم ہے۔ اس میں دردمندی موجود نہیں۔ نہ ہی کلام میں موسیقی اور نغمگی موجود ہے، بلکہ ایسے شاعر کا کلام جذبات واحساسات سے بھی خالی ہوگا۔ کیوں کہ ایک حقیقی شاعر انتہائی حساس فرد ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھتا ہے۔ وہ دوسرے کی تکالیف پر آنسو بہاتا ہے۔ ظاہر ہے ایسا حساس فرد موٹا تازہ نہیں ہوسکتا۔ تنومند فرد وہی ہوتا ہے جو کسی بھی طرح کی پریشانی کو قریب نہ پھٹکنے دے۔ اردو شاعری کی تاریخ میں وہ شاعر جو مالی اعتبار سے خوش حال رہے ان کے یہاں درد وغم اور جذبات واحساسات کا فقدان ملتا ہے، مصنف کا موقف ہے۔ حضرت قمر دیکھنے میں کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑ رہے تھے لیکن پھر بھی اکڑ اکڑ کر چل رہے تھے۔ ان کی حرکات وسکنات سے غرور ٹپکتا تھا۔ اصل میں انسانی سوچ اس کے عمل سے بھی منعکس ہوتی ہے چوں کہ رئیس کے یہاں دعوت پر بلایا جانا ان کے لیے بہت اہمیت رکھتا تھا اور انھیں اپنے آپ پر فخر محسوس ہو رہا تھا چناں چہ ان کے چلنے کے انداز میں بھی یہ غرور آ گیا تھا۔ اگر چہ زیادہ دیر یہ بھرم قائم نہ رہا اور وہ اپنی سبکی کرا کے جلد گھر واپس آ گئے۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ پریم چند پیدا ہوئے:

(A) 1880ء میں (B) 1881ء میں (C) 1882ء میں (D) 1889ء میں

2۔ پریم چند نے وفات پائی:

(A) 1935ء میں (B) 1936ء میں (C) 1937ء میں (D) 1938ء میں

3۔ حضرت قمر نے چائے پی:

(A) دس دفعہ اُبالی ہوئی (B) بیس دفعہ اُبالی ہوئی (C) تیس دفعہ اُبالی ہوئی (D) چالیس دفعہ اُبالی ہوئی

4۔ قمر کی بیوی سو رہی تھی:

(A) نئے لحاف میں (B) پرانے لحاف میں (C) گرم لحاف میں (D) پھٹے میلے لحاف میں

5۔ حضرت قمر دنیا ومافیہا سے بے خبر غرق تھے:

(A) فکر سخن میں (B) فکر آخرت میں (C) فکر دنیا میں (D) فکر معاش میں

6۔ سکینہ اس تباہ حالی پر:

(A) ناراض تھی (B) خوش تھی (C) مطمئن تھی (D) راضی تھی

7۔ دعوت میں جانے کے لیے حضرت قمر نے تیاری شروع کی:

(A) صبح سے (B) دوپہر سے (C) شام سے (D) رات سے

8۔ سکینہ نے کہا تم نے دعوت میں جانا قبول کیا:

(A) ناحق (B) فضول (C) ناجائز (D) بے وجہ

9۔ حضرت قمر کی رائے کے مطابق چائے میں دودھ ملانا ایجاد ہے:

(A) رئیسوں کی (B) غریبوں کی (C) انگریزوں کی (D) حکمرانوں کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

10۔ حضرت قمر رئیس کی دعوت میں شریک ہونا چاہتے تھے:
(A) اعزاز واحترام کے لیے (B) شان وشوکت کے لیے (C) مال ودولت کے لیے (D) دکھاوے کے لیے

11۔ عید کے دن بھی قمر نے نہیں منائی تھی:
(A) عید (B) خوشی (C) چھٹی (D) تعطیل

12۔ حضرت قمر کے ایک ایک عضو سے ٹپک رہا تھا:
(A) غرور (B) سرور (C) نشہ (D) خوشی

13۔ حافظ صمد کام کرتے تھے:
(A) درزی کا (B) بساطی کا (C) استری کا (D) مستری کا

14۔ حضرت قمر لوگوں کے تقاضوں کا جواب دینے کے لیے تیار تھے:
(A) ہمت شکن (B) دندان شکن (C) حوصلہ شکن (D) غرور شکن

15۔ حافظ صمد نے کہا کہ ایسے سو پچاس گاہک مل جائیں تو نکل جائے گا:
(A) دیوانہ (B) دیوالہ (C) دوا (D) ہوا

16۔ ایک صاحب کے اندازے کے مطابق راجہ صاحب کی سالانہ آمدنی تھی:
(A) دس لاکھ (B) بیس لاکھ (C) تیس لاکھ (D) چالیس لاکھ

17۔ راجہ صاحب کی سالانہ آمدنی تھی:
(A) دس لاکھ (B) اڑھائی تین لاکھ (C) بیس لاکھ (D) تیس لاکھ

18۔ حضرت قمر کی روح تقاضوں سے:
(A) جاگتی تھی (B) ڈرتی تھی (C) کانپتی تھی (D) سوچتی تھی

19۔ حضرت قمر نے کہا ہمیں بھی اپنے علم وکمال پر:
(A) غرور ہے (B) فخر ہے (C) اثر ہے (D) علم ہے

20۔ حضرت قمر نے دربان کو کہا کہ راجہ صاحب سے کہہ دیجیے گا قمر آیا تھا:
(A) چلا گیا (B) لوٹ گیا (C) پلٹ گیا (D) بھاگ گیا

21۔ افسانہ ''ادیب کی عزت'' میں کن انگریز شعرا کا ذکر ہے:
(A) بائرن (B) شیلے (C) ٹینی سن (D) بائرن، شیلے، ٹینی سن

22۔ حضرت قمر کی عمر تھی:
(A) تیس سال (B) پچاس سال (C) بیس سال (D) چالیس سال

23۔ حضرت قمر ادبی خدمت میں مصروف تھے:
(A) دس سال سے (B) تیس سال سے (C) چالیس سال سے (D) بیس سال سے

24۔ راجہ صاحب کی تقریب میں شرکت کے لیے حضرت قمر کو دقت تھی:
(A) رقم کی (B) کپڑوں کی (C) نظم کی (D) جوتوں کی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

25۔ حافظ صمد نے حضرت قمر سے کس چیز کے دام مانگے:
(A) کپڑوں کے (B) چھاتے کے (C) آٹے کے (D) کتابوں کے

26۔ ادبی خدمت کے بارے میں قمر نے کہا کہ:
(A) ریاضت ہے (B) عبادت ہے (C) عادت ہے (D) شرافت ہے

27۔ سبق ادیب کی عزت لیا گیا ہے:
(A) آخری خط سے (B) آخری بات سے (C) آخری تحفہ سے (D) آخری چال سے

28۔ حضرت قمر کی بیوی کا نام تھا: (بورڈ 2019ء)
(A) رضیہ (B) زکیہ (C) سمیعہ (D) سکینہ

29۔ حضرت قمر کو روپیہ آنے والا تھا:
(A) اخباروں سے (B) دُکان داروں سے (C) رئیسوں سے (D) شاعروں سے

30۔ حضرت قمر نے اپنی نظم میں زندگی کو کس چیز سے تشبیہ دی:
(A) ادب سے (B) عزت سے (C) باغ سے (D) سراب سے

31۔ نظم لکھنے کے لیے حضرت قمر کے زورِ طبع کے لیے موزوں چیز تھی:
(A) ادب (B) عزت (C) باغ (D) سراب

32۔ وردی پوش دربان نے حضرت قمر سے مطالبہ کیا:
(A) کارڈ کا (B) رقم کا (C) نظم کا (D) رشوت کا

33۔ جن صاحب کے اعزاز میں جلسہ تھا وہ ڈگری لے کر آئے تھے:
(A) افریقہ سے (B) امریکہ سے (C) ایشیا سے (D) یورپ سے

جوابات

A	-5	D	-4	B	-3	B	-2	A	-1
A	-10	A	-9	A	-8	B	-7	C	-6
B	-15	B	-14	B	-13	A	-12	D	-11
B	-20	A	-19	C	-18	B	-17	B	-16
B	-25	B	-24	D	-23	D	-22	D	-21
C	-30	A	-29	D	-28	C	-27	B	-26
				D	33	A	32	D	31

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

06

اوورکوٹ

(غلام عباس)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
اوورکوٹ	پاؤں تک لمبا گرم کوٹ جو سردی سے بچنے کے لیے تمام لباس کے اوپر پہنا جاتا ہے۔ مغربی انداز کا فرغل
ڈیوس روڈ	سر آغا خاں روڈ کا پرانا نام۔ لاہور کی ایک سڑک۔ کلب روڈ کے سامنے، مال روڈ کے پار، ایچیسن کالج کی دیوار کے ساتھ موجود سڑک جو شملہ پہاڑی کی طرف جاتی ہے، کا پرانا نام۔
میکلوڈ روڈ	ظفر علی خاں روڈ کا پرانا نام، لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ڈونلڈ میکلوڈ کے نام سے موسوم سڑک۔
مال روڈ	شاہراہ قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ، ٹھنڈی سڑک کے نام سے مشہور تھی۔
خراماں خراماں	آہستہ آہستہ چلتے ہوئے، ٹہلتے ٹہلتے
کاج	بٹن کے لیے کپڑے میں بنایا گیا سوراخ، بٹن کا گھر
گلوبند	گلے میں باندھنے کا پٹکا، مفلر
لارنس گارڈن	باغ جناح کا پرانا نام، 1869ء میں جان لارنس نے بنوایا، اسی بنا پر لارنس گارڈن کہلاتا ہے۔
فیلٹ ہیٹ	گول چھجے والی ٹوپی
دھندلکا	ہلکا اندھیرا
اڑسنا	پھنسانا، اٹکانا
قماش	قسم، وضع
قراقلی	جنگلی بلے کی کھال سے بنی ہوئی۔
خجل	شرمندہ، شرمسار
چیرنگ کراس	پنجاب اسمبلی اور واپڈا ہاؤس کے سامنے موجود چوک کا نام، فیصل چوک کا پرانا نام، لندن کے چیئرنگ کراس کے نام سے موسوم چوک۔
کھونچیں لگنا	کپڑے کا الجھ کر پھٹ جانا
ڈھب	انداز، طور، طریقہ

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

سلوٹ	شکن، بل
جونچالی	شوخی، چنچل پن
جراحی	سرجری، بیماری دور کرنے کے لیے چیر پھاڑ

(بورڈ 19-12-10-09-2008)

خلاصہ:

غلام عباس اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔"اوورکوٹ" ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے کہ ہم وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت کو بناوٹ کے پردوں میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ ملمع سازی اور قلعی ایک دن کھل جاتی ہے۔

جنوری کی ایک شام کو ایک خوش پوش نوجوان ڈیوس روڈ سے گزر کر مال روڈ پر پہنچا اور چیئرنگ کراس کی طرف مٹرگشت کرتے ہوئے چلنے لگا۔ وہ بڑا فیشن ایبل دکھائی دے رہا تھا، جسم پر بادامی رنگ کا اوورکوٹ، سر پر سبز فیلٹ ہیٹ، گردن کے گرد سلک کا سفید گلوبند لپٹا ہوا، ایک ہاتھ اوورکوٹ کی جیب میں دوسرے میں چھوٹی سی چھڑی تھامے اپنے آپ میں مگن چلتا جا رہا تھا۔ اس وقت سردی خاصی شدید تھی مگر اس نوجوان پر اس کا کوئی اثر محسوس نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اس کی طبیعت کی چونچالی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے رومال نکال کر بڑی نفاست سے اپنا چہرہ صاف کیا اور پھر قریب ہی گھاس پر کھیلنے والے بچوں کو دیکھنے لگا جس پر تھوڑی دیر بعد وہ بچے ہنستے کھیلتے وہاں سے چلے گئے۔

مال روڈ پر اس وقت گاڑیوں، سائیکلوں اور پیدل چلنے والوں کی خاصی بھیڑ تھی۔ آنے جانے والوں میں ہر عمر اور ہر طبقے کے لوگ شامل تھے جن میں تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فن کار، کالجوں کے طلبہ وطالبات، نرسیں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے بابو زیادہ تر لوگ اوورکوٹ پہنے ہوئے تھے۔ مگر نوجوان نے جو اوورکوٹ پہنا ہوا تھا۔ اُس کا کپڑا خاصا پرانا تھا مگر خوب بڑھیا تھا۔ وہ کسی ماہر درزی کا سلا ہوا تھا۔ سلوٹ نام کو نہیں تھی نوجوان اس میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا۔ یہ نوجوان سیمنٹ کے ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور آنے جانے والوں کو دیکھنے لگا۔ ایک بلی بھی اس کے قریب آ بیٹھی وہ پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس نے پان سگریٹ بیچنے والے ایک لڑکے سے سگریٹ لیا اور آہستہ آہستہ سگریٹ کے کش لگانے لگا۔ تھوڑی دیر یونہی ستانے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ایک دفعہ پھر مال روڈ کی پٹڑی پر پہلے کی طرح مٹرگشت کرنے لگا۔ ایک ہوٹل میں آرکسٹرا بج رہا تھا۔ ہوٹل کے باہر بہت سے مفلوک الحال لوگ حسرت سے اندر دیکھ رہے تھے، وہ نوجوان بھی چند لمحے رکا اور پھر آگے بڑھ گیا۔

راستے میں وہ ایک بک سٹال اور قالین فروش کے پاس رکا۔ شام سے اب تک کوئی چہرہ اسے اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکا تھا۔ اب وہ ہائی کورٹ کے سامنے سڑک عبور کر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک اینٹوں سے بھری تیز رفتار لاری آئی اور اسے کچلتے ہوئے نکل گئی۔ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر ڈرائیور لاری بھگا لے گیا۔ نوجوان سڑک پر زخمی حالت میں تڑپنے لگا۔ لوگ جمع ہو گئے اور سڑک پر سے گزرنے والے ایک ٹریفک انسپکٹر کی مدد سے نوجوان کو ایک کار میں ڈال کر میو ہسپتال پہنچا دیا گیا۔ ابھی اس میں رمق بھر جان باقی تھی۔ اسے سٹریچر پر ڈال کر آپریشن روم لے جایا گیا جہاں ایک ڈاکٹر مسٹر خان اور دو نرسیں مس شہناز اور مس گل موجود تھیں۔ بادامی رنگ کا اوورکوٹ ابھی تک اس کے جسم پر تھا۔ سر میں لگائے گئے تیل کی خوش بو ابھی تک باقی تھی۔ اس کی دونوں ٹانگیں بری طرح کچلی گئی تھیں اور خون بڑی مقدار میں بہہ چکا تھا۔

آپریشن روم میں جب اس کا لباس اتارا جا رہا تھا تو جوں ہی گلوبند اترا، نرسیں حیران ہوئیں کیوں کہ نوجوان قمیص سے محروم تھا۔ اوورکوٹ کے نیچے ایک پھٹا پرانا سویٹر اور خستہ حال بنیان تھی۔ پتلون بھی انتہائی پرانی اور گھسی ہوئی تھی، جسے بیلٹ کے بجائے ایک پرانی نکٹائی سے باندھا گیا تھا۔ پاؤں میں ایک جیسی جرابیں نہ تھیں اور اتنی پرانی اور پھٹی ہوئی تھیں کہ نوجوان کی میلی ایڑیاں دکھائی دے رہی تھیں۔ نوجوان دم توڑ چکا تھا۔ نوجوان کی جیبوں سے کنگھا، رومال، آدھا سگریٹ، ڈائری اور اشتہار برآمد ہوئے۔ افسوس کہ بید کی چھڑی جو حادثے میں گم ہو گئی تھی، اس فہرست میں شامل نہ تھی۔

(جاڑے کی چاندنی)

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: نوجوان سیمنٹ کی بنچ پر بیٹھا اپنے سامنے سے گزرتے ہوئے زن و مرد کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظر ان کے چہروں سے کہیں زیادہ ان کے لباس پر پڑتی تھی۔ ان میں ہر وضع اور ہر قماش کے لوگ تھے۔ بڑے بڑے تاجر، سرکاری افسر، لیڈر، فن کار، کالجوں کے طلبہ اور طالبات، نرسیں، اخباروں کے نمائندے، دفتروں کے بابو زیادہ تر لوگ اوورکوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر قسم کے اوورکوٹ، قراقلی کے بیش قیمت اوورکوٹ سے لے کر خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوٹ تک جنھیں نیلام میں خریدا گیا تھا۔

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اوورکوٹ

مصنف کا نام: غلام عباس

سیاق و سباق:

ایک خوش پوش نوجوان جنوری کی ایک شام ڈیوس روڈ سے مال روڈ پر پہنچا اور چیئرنگ کراس کی طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ وہ بڑا فیشن ایبل نوجوان تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود اُسے ٹہلنے میں مزا آ رہا تھا۔ وہ اپنے خوب صورت اوورکوٹ میں بہت مگن معلوم ہوتا تھا اُس نے ایک سگریٹ خریدا اور بلی کو پیار کیا۔ وہ ایک بک سٹال اور قالینوں کی ایک دکان پر بھی رُکا۔ کسی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے جب وہ ہائی کورٹ کی عمارت کے قریب پہنچا تو ایک حادثے کا شکار ہو گیا۔ حادثے میں اس کی دونوں ٹانگیں کُچل گئیں اور جب اُس کا اوورکوٹ اتارا گیا تو اس کی اصلیت بے نقاب ہو گئی۔ بوسیدہ اونی سویٹر اور پھٹی پرانی بنیان اور پتلون نے اس کی اصلیت ظاہر کر دی۔ اُس کے اوورکوٹ سے مختلف چیزیں برآمد ہوئیں۔ بید کی چھڑی جو حادثے میں کھو گئی تھی اس فہرست میں شامل نہ ہو سکی۔

تشریح: غلام عباس اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ اوورکوٹ ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے کہ ہم وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت کو بناوٹ کے پردوں میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ ملمع سازی اور قلعی ایک دن کھل جاتی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے اوورکوٹ کے مرکزی کردار نوجوان اور سڑک کے منظر کے حوالے سے طبقاتی فرق کی عکاسی کی ہے۔ ایسا معاشرہ جو مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہو وہاں اس شخص کی عزت و تکریم ہوتی ہے جس کے پاس روپیہ پیسا ہو، کوئی بڑا عہدہ ہو یا کوئی جاگیر موجود ہو۔ طبقاتی معاشرے میں عام آدمی کے لیے زندگی گزارنا بڑا دشوار ہوتا ہے۔ وہ اپنی محرومیوں کو چھپانے میں اپنی ساری توانائیاں صرف کر دیتا ہے۔ بقول میکسم گورکی ''لوگوں کی اکثریت زندگی گزارنے کی تیاریوں میں ساری زندگی گزار دیتی ہے۔'' اوورکوٹ میں ملبوس نوجوان اپنی غربت کو چھپائے ہوئے پھر رہا ہے اور سیمنٹ کی ایک خالی بنچ دیکھ کر اس پر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے مال روڈ پر گاڑیوں اور بائیسکلوں کا ایک ہجوم تھا۔ وہ بڑے غور سے ہر عورت اور مرد کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ وہ ان کے چہروں پر کم اور ان کے لباس کو زیادہ انہماک اور توجہ سے دیکھ رہا تھا۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ جو شے اس کے پاس موجود نہ ہو وہ یہ دیکھتا ہے کہ کیا یہ نعمت دوسرے لوگوں کے پاس ہے یا نہیں۔ نوجوان چوں کہ اپنے لباس کے حوالے سے محرومیوں کا شکار تھا کیوں کہ اوورکوٹ کے نیچے اس نے محض پھٹے پرانے چیتھڑے پہن رکھے تھے۔ اس لیے اس کی توجہ لوگوں کے چہروں کی طرف نہیں تھی بلکہ وہ ان کے لباس کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ غلام عباس کے افسانوں میں عام طور پر ہمیں عام افراد نظر آتے ہیں۔ اسی لیے انھیں عام آدمی کا افسانہ گو کہا جاتا ہے اور عام آدمی بیک وقت دو سطحوں پر زندگی بسر کر رہا ہوتا ہے۔ ایک اس کی حقیقی زندگی اور دوسری وہ زندگی جو وہ دوسروں کو دکھانے کے لیے گزار رہا ہوتا ہے۔ افسانہ اوورکوٹ کے نوجوان میں بھی کردار کی یہ ثنویت ہمیں نظر آتی ہے۔ چنانچہ وہ دکھائی دینے والے ہجوم کے لباس کو دیکھ کر شاید اندازہ کر رہا ہو کہ ان کی حقیقت کیا ہے۔ ایسا ہجوم جس میں ہر طرح، ہر قسم، ہر حلیے اور ہر شکل کی خواتین اور مرد شامل تھے۔ ان میں بڑے بڑے کاروباری لوگ، رہنما حضرات، فنون لطیفہ سے وابستہ لوگ، کالجوں میں تعلیم حاصل کرنے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

والے طلبہ وطالبات، اخباری نمائندے، دفتر میں کام کرنے والے کلرک بابو شامل تھے۔ ان میں زیادہ تر لوگوں نے اوورکوٹ پہن رکھے تھے۔ کسی نے قیمتی کھال کا اوورکوٹ پہن رکھا تھا اور کسی نے خاکی پٹی کا فوجی اوورکوٹ پہنا ہوا تھا جنھیں لوگوں نے سردی سے بچاؤ کے لیے نیلام میں خریدا تھا۔ نوجوان کا اپنا اوورکوٹ یوں تو بہت پرانا تھا لیکن اس کا کپڑا خوب بڑھیا تھا اور سلا ہوا بھی کسی ماہر درزی کا تھا۔ نوجوان اس اوورکوٹ میں بہت مگن اور مسرور معلوم ہوتا تھا۔ لیکن درحقیقت وہ اس اوورکوٹ کے نیچے اپنی غربت چھپائے ہوئے تھا۔

.....

اقتباس: نوجوان نے شام سے اب تک اپنی مٹرگشت کے دوران میں جتنی انسانی شکلیں دیکھیں تھیں ان میں سے کسی نے بھی اس کی توجہ کو اپنی طرف منعطف نہیں کیا تھا۔ فی الحقیقت ان میں کوئی جاذبیت تھی ہی نہیں یا پھر وہ اپنے حال میں ایسا مست تھا کہ کسی دوسرے سے اسے سروکار ہی نہ تھا مگر ابھی اس نے آدھی ہی سڑک پار کی ہوگی کہ اینٹوں سے بھری ہوئی ایک لاری پیچھے سے بگولے کی طرح آئی اور اسے روندتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ لاری کے ڈرائیور نے نوجوان کی چیخ سن کر پل بھر کے لیے گاڑی کی رفتار کم کی۔ وہ سمجھ گیا کہ کوئی لاری کی لپیٹ میں آ گیا۔

(بورڈ 2010-17)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اوورکوٹ

مصنف کا نام: غلام عباس

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: غلام عباس اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ اوورکوٹ ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے کہ ہم وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت کو بناوٹ کے پردوں میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ ملمع سازی اور قلعی ایک دن کھل جاتی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ عام طور پر انسان کی ہر سرگرمی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے لیکن بعض اوقات زندگی انسان کو اس مقام پر لے آتی ہے جہاں اس کی سرگرمی بے مقصد ہو کر رہ جاتی ہے۔ ''اوورکوٹ'' کا نوجوان شام سے مٹرگشت کر رہا تھا۔ اس دوران میں اس نے جتنے بھی انسان دیکھے ان میں مرد، بوڑھے اور بچے بھی شامل تھے۔ ہر طبقے اور ہر درجے کے لوگ تھے، لیکن ان میں سے کوئی بھی اس نوجوان کی توجہ حاصل نہ کر سکا اور نہ ہی اسے اپنی طرف مائل کر سکا۔ اس کے دو سبب ممکن تھے کہ یا تو ان میں کوئی کشش نہ تھی یا پھر وہ نوجوان اپنے حال میں ایسا مگن تھا، اپنے آپ میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ اسے اپنی ذات کے علاوہ کسی دوسرے سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا۔ لہٰذا وہ کسی کی طرف کیوں دیکھتا۔ اپنی ذات میں محویت اس کی تنہائی کو ظاہر کرتی ہے کہ گردوپیش میں ایک ہجوم موجود ہے لیکن کوئی ایسا نہیں جو اس کی طرف توجہ کرے یا جس کی طرف وہ متوجہ ہو۔ موجودہ زمانے میں ہماری معاشرتی زندگی اس طرح متاثر ہوئی ہے کہ معاشرے سے اجتماعیت ختم ہو کر رہ گئی ہے۔ ہر شخص فقط اپنی ذات کے لیے زندہ دکھائی دیتا ہے۔ آس پاس کیا ہو رہا ہے؟ اسے اس سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ چناں چہ یہ نوجوان بھی اپنے آپ میں گم دکھائی دیتا ہے اور اسی محویت کی حالت میں وہ سڑک پار کرنے لگا، جیسے ہی وہ سڑک کے عین وسط میں پہنچا، پیچھے سے ایک تیز رفتار لاری آئی جو اینٹوں سے بھری ہوئی تھی۔ تیز رفتاری کے باعث ڈرائیور لاری کو نہ روک سکا یا اس نے روکنے کی زحمت ہی نہ کی۔ لہٰذا وہ لاری تیزی سے اس نوجوان کو کچلتی ہوئی میکلوڈ روڈ کی طرف نکل گئی۔ صرف ایک لمحے کے لیے لاری کی رفتار کم ہوئی شاید ڈرائیور کو پتا چل گیا تھا کہ آدمی لاری کے نیچے آ گیا ہے۔ چوں کہ رات کافی گہری ہو چکی تھی، ڈرائیور رات کی تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لاری تیزی سے بھگا کر لے گیا۔ انسانیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ رکتا، زخمی کو ہسپتال تک پہنچاتا تاکہ اس کا علاج معالجہ ہو سکے لیکن اس نے بے حسی کا مظاہرہ کیا۔ یہ بے حسی اس حادثے سے کہیں زیادہ سنگین ہے جو ظاہر کرتی ہے کہ معاشرے میں رہنے والے افراد انسانیت کے وصف سے محروم ہوتے جا رہے ہیں۔ وہ اپنی غلطی جو دانستہ ہوئی ہو یا نادانستہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے بلکہ کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ وہاں سے غائب ہی ہو جائیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ فیصلہ کرنے والے لوگ بھی غلطی کا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تعین کرتے وقت حقیقت کو پیش نظر رکھنے کی بجائے صرف یہ دیکھتے ہیں کہ جو پکڑا گیا ہے وہ مجرم ہے۔ چناں چہ وہاں پر موجود دو تین افراد نے شور مچایا کہ نمبر دیکھو، لاری کا نمبر دیکھو مگر لاری وہاں رکی ہی کب تھی جو اس کا نمبر دیکھا جاتا۔ اسی اثنا میں وہاں کئی اور لوگ جمع ہو گئے اور جیسے تیسے کر کے نوجوان کو ہسپتال پہنچایا گیا لیکن افسوس وہ جانبر نہ ہو سکا۔

.....

اقتباس: اس کی چال ڈھال سے ایسا بانکپن ٹپکتا تھا کہ تانگے والے دور ہی سے دیکھ کر سرپٹ گھوڑا دوڑاتے ہوئے اس کی طرف لپکتے مگر وہ چھڑی کے اشارے سے ''نہیں'' کر دیتا۔ ایک خالی ٹیکسی بھی اسے دیکھ کر رکی مگر اس نے ''نو تھینک یو'' کہہ کر اسے بھی ٹال دیا۔ جیسے جیسے وہ مال کے زیادہ بارونق حصے کی طرف پہنچتا جاتا تھا اس کی چونچالی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ وہ منہ سے سیٹی بجا کر رقص کی ایک دھن نکالنے لگا۔ ایک دفعہ جب آس پاس کوئی نہیں تھا تو یک بارگی کچھ ایسا جوش آیا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی گویا کرکٹ کا میچ ہو رہا ہے۔ (بورڈ 13-2009)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اوورکوٹ

مصنف کا نام: غلام عباس

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: غلام عباس اردو کے مشہور افسانہ نگار تھے۔ اوورکوٹ ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی گئی ہے کہ ہم وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ حقیقت کو بناوٹ کے پردوں میں نہیں چھپایا جا سکتا۔ ملمع سازی اور قلعی ایک دن کھل جاتی ہے۔

غلام عباس کے افسانے اوورکوٹ کا مرکزی کردار ایک نوجوان ہے جو اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے اوورکوٹ کا سہارا لیتا ہے۔ زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ نوجوان حُلیے سے خاصا فیشن ایبل نظر آتا ہے۔ چمکتے بال، باریک مونچھیں، بادامی رنگ کا اوورکوٹ پہنے ہوئے جس کے کاج میں گلاب کا ادھ کھلا پھول اٹکا ہوا اور سر پر سبز فیلٹ ہیٹ ایک خاص انداز سے ٹیڑھی رکھی ہوئی اور ہاتھ میں بید کی ایک چھوٹی چھڑی جسے کبھی کبھی وہ گھمانے لگتا تھا۔ اس کی چلنے کے انداز سے رعب کا اظہار ہوتا تھا۔ بظاہر وہ امیر نظر آتا تھا اور جدید لباس پہنے دیکھ کر تانگے والے دور ہی سے اُسے امیر سمجھتے ہوئے اپنا سرپٹ گھوڑا دوڑاتے اس کی طرف لپکتے ہیں لیکن وہ چھڑی کے اشارے سے انھیں روک دیتا ہے۔ اس نوجوان کا لباس مغربی طرز کا تھا اور اس نے انداز بھی انگریزوں کا اختیار کر رکھا تھا۔ بید کی چھڑی انگریز اکثر ہاتھ میں رکھتے وہ جب ہندوستان پر غلبہ پا چکے تھے تو عوام پر رعب و دبدبہ قائم کرنے کے لیے ''آقا'' کا انداز اپنایا ہاتھ میں چھڑی ہونا اسی رعونت کی علامت ہے جسے مقامی لوگوں نے بھی اپنایا مثلاً جب ایک خالی ٹیکسی اسے دیکھ کر رُکتی ہے تو وہ انگریزی الفاظ کا استعمال کرتا ہے ''نو تھینک یو''۔ یہ انگریزی کے الفاظ اور جملے بھی اس نوجوان کو ذہنی صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں۔ افسانے میں اکثر مقامات پر وہ یہ انداز اختیار کرتا ہے۔

پھر جوں جوں وہ مال روڈ کے بارونق حصے کی جانب بڑھتا ہے اس کی چونچالی اور شوخی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ کبھی وہ منہ سے سیٹی بجانے لگتا ہے اور کبھی رقص کی دُھن نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ نوجوان اپنی دُھن میں کچھ ایسا مگن ہوتا ہے کہ اسے گرد و پیش کا کوئی ہوش نہیں۔ اپنے لباس اور چال ڈھال سے وہ اپنے آپ کو دوسروں سے نمایاں اور برتر ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر ایک بار تو اس پر کچھ ایسا جوش غالب ہوا کہ اس نے دوڑ کر جھوٹ موٹ بال دینے کی کوشش کی گویا کرکٹ میچ ہو رہا ہے اور وہ گیند پھینکنے کی کوشش کرتا ہے۔

نوجوان کی اس کیفیت سے غلام عباس نے ہمارے معاشرے کی دو رنگی کو موضوع بنایا ہے۔ ان کے افسانے ''بہروپیا'' میں بھی معاشرے کی یہی تصویر دکھائی گئی ہے۔ لیکن اچانک کسی موڑ پر وہ کرداروں کی اصلیت کو بے نقاب کر دیتے ہیں، کچھ یہی صورت حال اس افسانے میں پیش کرتے ہیں کہ نوجوان ایک حادثے کا شکار ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کی مفلسی اور غربت ظاہر ہو جاتی ہے۔

.....

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اقتباس: (بورڈ 2019ء)

نوجوان سِلک کے گلوبند کو کچھ اس ڈھب سے گلے پر لپیٹے رکھتا تھا کہ اس کا سارا سینہ چھپا رہتا تھا۔ اس کے جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ ظاہر ہوتا تھا کہ وہ کم سے کم پچھلے دو مہینے سے نہیں نہایا۔ البتہ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پوڈر لگا ہوا تھا۔ سویٹر اور بنیان کے بعد پتلون کی باری آئی۔ پتلون کو پیٹی کے بجائے ایک پرانی دھجی سے جو شاید کبھی نکٹائی ہوگی خوب کس کے باندھا گیا تھا۔

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** اوورکوٹ

مصنف کا نام: غلام عباس

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: غلام عباس صفِ اوّل کے افسانہ نگار تھے۔ افسانہ ''اوورکوٹ'' میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پہ تنقید کی ہے کہ ہم وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ ہم اپنے باطن کو ظاہر کے پردوں میں چھپاتے ہیں لیکن حقیقت ایک دن سامنے آ ہی جاتی ہے۔

زیرِنظر نثر پارے میں وہ منظر دکھایا گیا جب نوجوان حادثے کے بعد آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹر کے سامنے پڑا تھا اور اس کے لباس کو اتارا جا رہا تھا۔ سب سے پہلے سلک کا گلوبند اس کے گلے سے اتارا گیا۔ یہ دیکھنے والوں کے لیے حیرت ناک منظر تھا۔ نوجوان کے گلوبند کے نیچے ٹائی تو کیا سرے سے قمیص ہی نہیں تھی۔ نوجوان سلک کے گلوبند کو گلے میں اس انداز میں لپیٹے رکھنا تھا کہ اس کا سینہ چھپا رہتا تھا۔ یوں محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ نیچے شرٹ موجود نہیں۔ اوورکوٹ اتارا گیا تو نیچے ایک پھٹا پرانا اونی سویٹر نکلا جس میں جا بجا بڑے بڑے سوراخ تھے سویٹر کے نیچے ظاہر ہے شرٹ تو تھی نہیں۔ نیچے میلا کچیلا بنیان نظر آ رہا تھا جس کی حالت سویٹر سے بھی زیادہ خراب تھی۔

خستہ حال بوسیدہ کپڑوں کی تو یہ حالت تھی جسمانی حالت اس سے بھی زیادہ خراب تھی۔ دکھاوے کے شاندار اوورکوٹ کے نیچے پھٹے پرانے کپڑوں کے علاوہ جسم پر میل کی تہیں بھی خوب چڑھی ہوئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ موصوف کافی عرصے سے غسل نہیں فرما رہے۔ صرف جسم کے وہ حصے جو نظر آتے تھے انھیں صاف کیے رکھتا۔ گردن خوب صاف تھی اور اس پر ہلکا ہلکا پاؤڈر بھی لگا ہوا تھا۔ سویٹر اور بنیان کی حالت تو سامنے آ چکی تھی۔ اب پتلون اتارنے کی باری آئی۔ پتلون کو پیٹی یا بیلٹ سے نہیں بلکہ بوسیدہ ٹائی کے چیتھڑے سے باندھا گیا تھا۔ پتلون کے بٹن غائب تھے۔ دونوں گھٹنوں پہ کپڑا مسک چکا تھا۔ یہ سب کچھ چھپا رہتا تھا کیوں کہ اوپر اوورکوٹ ہوتا تھا۔

نوجوان کا یہ رویہ ہمارے معاشرے کے بہت سے افراد کے طرزِ عمل کی عکاسی کرتا ہے۔ لوگ اپنی اصلیت، کمی، خامی غربت کو ظاہر داری کے پردے میں چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ لوگ وہ ہوتے نہیں جو اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں۔ اصلیت بالآخر سامنے آ ہی جاتی ہے اس لیے وہی رہو جو ہو۔

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے
خوشبو آ نہیں سکتی کبھی کاغذوں کے پھولوں سے

وارن بفے دنیا کے امیر ترین افراد میں شمار ہوتا ہے لیکن چھوٹے سے گھر میں رہتا ہے۔ اس کا قول ہے کہ تم وہی رہو جو تم ہو۔ افسانے کا نوجوان علامت ہے سب ریاکاروں اور دکھاوا کرنے والوں کی۔ دوسرے رُخ سے دیکھیں تو یہ سبق بھی ہے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ ہر خوش پوش مہذب، امیر یا نیک نہیں ہوسکتا۔ ہر اوورکوٹ والا امیر کبیر نوجوان نہیں ہوتا۔ یہ بات بھی اہم ہے کہ اگر کوئی ظاہر کے پردے میں باطن چھپائے تو منافق اور دھوکے باز انسان ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ غلام عباس پیدا ہوئے:

(A) 1909ء میں (B) 1908ء میں (C) 1907ء میں (D) 1906ء میں

2۔ غلام عباس نے وفات پائی:

(A) 1982ء میں (B) 1983ء میں (C) 1984ء میں (D) 1985ء میں

3۔ افسانہ "اوور کوٹ" کا مصنف ہے: (بورڈ 2017ء)

(A) پریم چند (B) ممتاز مفتی (C) غلام عباس (D) افضل حق

4۔ نوجوان اپنی تراش خراش سے معلوم ہوتا تھا:

(A) بیمار (B) فیشن ایبل (C) صحت مند (D) خوبصورت

5۔ نوجوان کے اوورکوٹ کا رنگ تھا:

(A) بادامی (B) سیاہ (C) سفید (D) شربتی

6۔ نوجوان مٹرگشت کے لیے کس شام کو نکلا:

(A) اتوار کی (B) ہفتے کی (C) جمعے کی (D) پیر کی

7۔ ٹیکسی نوجوان کو دیکھ کر رکی مگر اس نے کہا:

(A) نہیں شکریہ (B) نو تھینک یو (C) تھینک یو (D) شکریہ

8۔ نوجوان لارنس گارڈن کی طرف کیوں نہیں گیا:

(A) تھکاوٹ کی وجہ سے (B) دھند اور کہرے کی وجہ سے (C) کمزوری کی وجہ سے (D) دشمن کی وجہ سے

9۔ نوجوان نے سر پر رکھا تھا:

(A) سبز فیلٹ ہیٹ (B) رومال (C) کتاب (D) چھتری

10۔ اس وقت ہوا کی کیفیت تھی:

(A) سرد اور تند (B) گرم (C) تیز (D) سرد

11۔ نوجوان کی نظر پڑی:

(A) سیٹ پر (B) بینچ پر (C) کرسی پر (D) دیوار پر

12۔ نوجوان کی نظر لوگوں کی کس چیز پر پڑتی تھی:

(A) لباس (B) چہرہ (C) خوب صورتی (D) سواری

13۔ نوجوان نے سگریٹ بیڑی والے لڑکے کو کن الفاظ میں پکارا: (بورڈ 2014)

(A) پان والا (B) سگریٹ بیڑی والے (C) سگریٹ والے (D) ارے پان والے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

14۔ ریستوران میں بج رہا تھا:

(A) باجا (B) گٹار (C) ڈھول (D) آرکسٹرا

15۔ ایرانی قالین کی قیمت تھی:

(A) چودہ سو بتیس روپے (B) چودہ سو پچاس روپے

(C) چودہ سو دس روپے (D) چودہ سو پانچ روپے

16۔ نوجوان نے سگریٹ والے سے چینج مانگا:

(A) دس کا (B) پچاس کا (C) سوکا (D) پانچ سوکا

17۔ چھڑی زمین پر گر پڑی تو نوجوان نے کہا:

(A) شکریہ (B) تھینک یو (C) اوسوری (D) آئی ایم سوری

18۔ فی الحقیقت لوگوں کے چہروں میں نہیں تھی

(A) جاذبیت (B) کشش (C) لگن (D) خوشی

19۔ نوجوان کو روند ڈالا:

(A) بس نے (B) لاری نے (C) ٹرک نے (D) گاڑی نے

20۔ لاری نوجوان کو روندتی ہوئی نکل گئی:

(A) ہال روڈ کی طرف (B) مال روڈ کی طرف (C) میکلوڈ روڈ کی طرف (D) لارنس روڈ کی طرف

21۔ راہ گیر شور مچانے لگے:

(A) گاڑی دیکھو (B) نمبر دیکھو (C) کار دیکھو (D) نوجوان کو دیکھو

22۔ ڈیوٹی پر موجود نرسوں کے نام تھے:

(A) شہناز اور گل (B) گل اور شہلا (C) شہناز اور آمنہ (D) شہناز اور آسیہ

23۔ کسی نے از راہ دردمندی نوجوان کی فیلٹ ہیٹ رکھ دی تھی:

(A) سینے پر (B) پاؤں پر (C) ہاتھ پر (D) سر پر

24۔ حادثے میں نوجوان کی دونوں ٹانگیں:

(A) کٹ چکی تھیں (B) کچل گئی تھیں (C) مُڑ چکی تھیں (D) گر چکی تھیں

25۔ نوجوان کے کپڑوں پر جا بجا خون کے بڑے بڑے:

(A) نشان تھے (B) دھبے تھے (C) داغ تھے (D) دانے تھے

26۔ نوجوان نے اپنی پتلون کو پیٹی کی بجائے باندھا ہوا تھا:

(A) پرانی دھجی سے (B) پرانی رسی سے (C) پرانی ڈوری سے (D) پرانی تار سے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

27۔ نوجوان کو ہسپتال کے کس شعبے میں پہنچایا گیا:

(A) شعبہ امراض دل (B) شعبہ حادثات (C) شعبہ سرجری (D) شعبہ آئی سی یو

28۔ پھٹی پرانی جرابوں سے نوجوان کی میلی میلی نظر آ رہی تھیں:

(A) انگلیاں (B) ایڑیاں (C) پاؤں (D) ٹخنے

29۔ روح کی برہنگی نے نوجوان کو کر دیا تھا:

(A) شرمندہ (B) خجل (C) خوش (D) ناراض

30۔ افسوس بید کی چھڑی حادثے میں کہیں:

(A) کھو گئی تھی (B) گم گئی تھی (C) مل گئی تھی (D) گر گئی تھی

31۔ نوجوان نے اوورکوٹ پہن رکھا تھا:

(A) لباس نہ ہونے کی وجہ سے (B) سردی کی وجہ سے

(C) خوب صورت نظر آنے کی وجہ سے (D) اپنی اصلیت کو چھپانے کے لیے

32۔ گلوبند اتارنے کے بعد نرسوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا:

(A) کیوں کہ گلوبند بے حد خوب صورت تھا (B) کیوں کہ گردن پر گلوبند کا نشان تھا

(C) کیوں کہ گلوبند پھٹ گیا تھا (D) کیوں کہ گلوبند کے نیچے قمیص ہی نہ تھی

33۔ نوجوان کی پتلون تھی: /نوجوان کے ہاتھ میں کیا تھا؟ (بورڈ 2017ء)

(A) بالکل عام سی اور سادہ (B) پرانی اور جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی

(C) نہایت شان دار (D) پھٹی پرانی اور بکسوؤں کے بغیر

34۔ ''اوورکوٹ'' کا اختتام ہوا ہے: (بورڈ 2022)

(A) فیلٹ ہیٹ پر (B) بید کی چھڑی پر (C) اوورکوٹ پر (D) گلوبند پر

35۔ افسانہ نگار نے کس اوورکوٹ کو نیلام کا کہا:

(A) قراقلی اوورکوٹ کو (B) عوامی اوورکوٹ کو

(C) خاکی پٹی والے اوورکوٹ کو (D) خاکی پٹی کے پرانے فوجی اوورکوٹ کو

36۔ سفید بلی دیکھ کر نوجوان نے کیا کہا: (بورڈ 2016ء)

(A) پورلٹل سول! (B) نو، تھینک یو! (C) گڈ ایوننگ! (D) سوری!

37۔ نوجوان کو حادثہ کس سڑک پر جاتے ہوئے پیش آیا: (بورڈ 2019ء)

(A) ڈیوس روڈ پر (B) لارنس روڈ پر (C) مال روڈ پر (D) میکلوڈ روڈ پر

38۔ نوجوان کو ہسپتال پہنچایا گیا:

(A) ایمبولینس پہ (B) کار پہ (C) بس پہ (D) موٹر سائیکل پہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

جوابات

A	-5	B	-4	C	-3	A	-2	A	-1
A	-10	A	-9	B	-8	B	-7	B	-6
A	-15	D	-14	A	-13	A	-12	B	-11
C	-20	B	-19	A	-18	C	-17	A	-16
B	-25	B	-24	A	-23	A	-22	B	-21
A	-30	B	-29	B	-28	B	-27	A	-26
D	-35	B	-34	D	-33	D	-32	D	-31
				B	38	C	-37	A	-36

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org
EDUCATION
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

07

سفارش

(احمد ندیم قاسمی)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
تانگا	دو پہیوں والی گھوڑا گاڑی۔
کوچوان	تانگا چلانے والا
مصری شاہ	لاہور کے ایک محلّہ کا نام
گُڈا	پتلا، بت
پوست کے ڈوڈے	خشخاش کے خول
زن سے گزر گیا	تیزی سے گزر گیا۔
چھپر	گھاس پھوس کا سائبان
بینائی کا بھورا	بینائی کی رمق
گھٹنا پاجامے سے جھانک رہا ہو	پھٹے پاجامے سے غربت ظاہر ہو رہی ہو۔
گل ہو گئے	ختم ہو گئے، خرچ ہو گئے۔
ہلدی ہونا	بہت زرد ہونا
لقمان حکیم	مشہور، دانا اور طبیب جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔
پٹس پڑنا	کہرام مچنا، ماتم کرنا
طب	حکمت، جڑی بوٹیوں سے علاج
آنکھ کا دیا بجھنا	آنکھ میں دیکھنے کی صلاحیت کا ختم ہونا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2007-2008-2009-2010-2011,16,22)

احمد ندیم قاسمی مشہور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سفارش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے نہیں جو کہتے ہیں۔ مصنف نے کوچوان کی سفارش کا کہا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

محلے کی گلی کے موڑ پر میں تانگے کا انتظار کر رہا تھا کہ اچانک فیکا کوچوان نظر آیا۔ اس روز اس نے تانگا نہیں جوڑا تھا اور وہ کچھ پریشان اور تھکا تھکا سا دکھائی دے رہا تھا۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس کے باپ کی بینائی چلی گئی ہے۔ فیکے نے بتایا کہ اس کے باپ کی آنکھ ہر وقت لال لال رہتی تھی اور اس میں سے پانی بھی بہتا تھا اس تکلیف سے نجات کے لیے اس کے باپ نے مصری شاہ میں سڑک کنارے ایک سرمہ فروش سے خریدا ہوا سرمہ آنکھوں میں لگایا جس سے بجائے آرام ہونے کے وہ سخت تکلیف میں ہے۔ ساری رات تکلیف کے باعث جاگ کر گزاری۔ کئی ٹونے ٹوٹکے کیے لیکن جب بابا نے آنکھ کھولی تو کہنے لگا کہ بینائی ختم ہوگئی ہے۔ ہم اسے میو ہسپتال لے گئے جہاں ایک چوکیدار کے کہنے سے برآمدے میں جگہ تو مل گئی ہے لیکن ڈاکٹر توجہ نہیں دیتے۔ آپ میرے ساتھ چل کر کسی ڈاکٹر سے سفارش کر دیجیے۔ میں نے اسے اپنے ایک واقف ڈاکٹر عبدالجبار کا نام بتا کر ہدایت کی کہ ان سے جا کر ملو۔ میں اس وقت ایک دعوت میں جا رہا تھا، سوچا کل میں خود ڈاکٹر سے کہ دوں گا۔ رات واپسی پر معلوم ہوا کہ فیکا آیا تھا۔ وہ صبح پھر آیا اور بتایا کہ جبار صاحب کی ڈیوٹی کل نہیں تھی اور اس کا باپ دسمبر کی سردی میں ہسپتال کے برآمدے ہی میں پڑا ہے۔ محض اس امید پر کہ شاید اس کے باپ کی آنکھ میں کچھ بینائی باقی ہو۔ فیکا مجھے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر میں نے اسے کارڈ دے کر کہا کہ یہ کارڈ ڈاکٹر جبار کو دکھا دینا، کام ہو جائے گا۔ کارڈ پر میں نے لکھ دیا تھا کہ غریب آدمی ہے، اس کا کام کر دیجیے، دعائیں دے گا۔ شام واپسی پر فیکے نے بتایا کہ میرا پھٹا پرانا لباس دیکھ کر کسی نے مجھے ڈاکٹر جبار سے نہیں ملنے دیا۔ میں نے اس سے دوسرے روز ساتھ چلنے کا وعدہ کیا لیکن مجھے شیخوپورہ جانا پڑ گیا۔ چند روز بعد اچانک فیکے سے سامنا ہو گیا تو میں نے جھوٹ موٹ کہہ دیا کہ میں نے جبار صاحب کو فون کر دیا تھا، وہ بہت ممنون ہوا۔ دوسرے روز وہ پھر آیا اور اس نے بتایا کہ اس کے باپ کو کوٹ لکھپت ہسپتال بھیج دیا گیا ہے اور آنے جانے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، آپ جبار صاحب کو فون کر دیجیے۔ میں نے فون کیا مگر جبار صاحب نہ ملے۔ پانچ چھ روز بعد فیکا ملا تو میرے احسانات کا تذکرہ کرنے لگا۔ لیکن اپنے باپ کے بارے میں یہ افسوس ناک اطلاع دی کہ اس کا آپریشن ہو گیا ہے مگر پٹی کھلی تو معلوم ہوا کہ اس آنکھ کی بینائی تو گئی ہی تھی، دوسری آنکھ بھی متاثر ہو گئی ہے۔ اب دونوں کا آپریشن ہوگا۔ وہ پریشان تھا میں نے ڈاکٹر جبار کو فون کیا مگر بدقسمتی سے وہ اس بار بھی نہ مل سکے۔ میں نے وعدہ کیا کہ خود ڈاکٹر جبار سے جا کر ملوں گا، لیکن عملاً ایسا نہ ہو سکا اور ٹیلی فون پر بھی ان سے بات نہ ہو سکی۔ دو اڑھائی ہفتے گزر گئے۔ ایک صبح فیکا گھر آیا، میں اس کا سامنا کرنے سے جھجک رہا تھا۔ آخر میں نے فیصلہ کیا کہ فیکے کے سامنے اس طرح بات کروں کہ اسے حقیقت بھی معلوم ہو جائے اور اسے دکھ بھی نہ پہنچے لیکن قبل اس کے کہ میں کوئی اعتراف کرتا، فیکے نے بتایا کہ اس کے باپ کی بینائی لوٹ آئی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا، بابو جی! آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔ میں عمر بھر آپ کا نوکر رہوں گا۔ میں نے لمبی سانس لے کر کہا۔ ''کوئی بات نہیں فیکے۔ کوئی بات نہیں۔''

(کپاس کا پھول)

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: فیکے کی آنکھوں میں ممنونیت کی نمی جاگی۔ وہ بولا: ''بس بابو جی خدا آپ کا بھلا کرے۔ رات تو چیخ چاخ کے گزار دی۔ پھر صبح کو محلّے کے سارے کوچوان اکٹھے ہوئے تو ان میں سے چچا شیدے نے کہا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابالو اور اسی پانی سے آنکھ دھوؤ۔ دھوئی پر بابا اسی طرح تڑپتا رہا۔ پھر کسی نے کہا کہ پالک کا ساگ اُبال کر باندھو، باندھا اور جب کھولا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ اب کیا جتن کرتے ہو آنکھ کا دیا تو بجھ گیا۔ ہمارے گھر میں تو پٹس پڑ گئی بابو جی۔ اُسے ایک ہسپتال میں لے گئے، پھر دوسرے میں لے گئے۔ دونوں میں جگہ نہ تھی۔ دوپہر کو راج گڑھ کے ایک کوچوان نے بتایا کہ اس کا سالا میو ہسپتال میں چوکی دار ہے۔ اُس کی سفارش سے جگہ تو مل گئی پر برانڈے میں۔ وہ بھی کوئی ایسی بات نہیں۔ پر بابو جی شام ہونے کو آئی ہے اور ابھی تک کوئی ڈاکٹر تو کیا کوئی نرس بھی ادھر نہیں آئی۔

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** سفارش

مصنف کا نام: احمد ندیم قاسمی

سیاق وسباق:

گلی کے موڑ پر فیکے کوچوان نے بابو جی کو بتایا کہ فٹ پاتھ پر سرمہ بیچنے والے حکیم کا سُرمہ استعمال کرنے سے اُس کے والد کی آنکھ ضائع ہوگئی ہے۔ وہ ایک چوکیدار کی سفارش سے میو ہسپتال کے برآمدے میں پڑا تو ہے لیکن اُسے دیکھنے کوئی ڈاکٹر نہیں آیا۔ بابو جی نے ڈاکٹر عبدالجبار سے ملنے کا مشورہ دیا مگر وہ اُسے نہ مل سکے۔ اس کے والد کو جب کوٹ لکھپت ہسپتال منتقل کیا گیا تو اُس نے بابو جی کی سفارش چاہی مگر کوشش کے باوجود اُن کا ڈاکٹر صاحب سے رابطہ نہ ہوسکا۔ فیکا بار بار گھر کے چکر لگاتا رہا مگر بابو جی سے ملاقات نہ ہوسکی۔ آپریشن کے بعد فیکا بابو جی کا شکریہ ادا کرنے آیا کہ اُن کی سفارش سے اُس کے والد کی آنکھیں ٹھیک ہوگئی ہیں۔ بابو جی نے اُس کے لیے کچھ بھی نہیں کیا تھا مگر پھر بھی اُس کا شکریہ قبول کرلیا۔

تشریح: احمد ندیم قاسمی مشہور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سفارش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے نہیں جو کہتے ہیں۔ مصنف نے کوچوان کی سفارش کا کہا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے اپنے اندازِ سفارش اور فیکے کوچوان کی مجبوری کو موضوع بنایا ہے۔ انسان گروہی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ اس کی ضروریات کی نوعیت ایسی ہے کہ وہ تنہا رہ کر انھیں پورا نہیں کرسکتا۔ چناں چہ وہ مل جل کر زندگی بسر کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ایسے لوگوں سے اس کا واسطہ ہو جو مشکل میں اس کے کام آسکیں۔ فیکا کوچوان ایک غریب آدمی ہے جسے معاشرے میں کوئی اہمیت حاصل نہیں جب اس کے باپ کی آنکھوں کی بینائی جاتی ہے تو اس کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح باپ کی بینائی واپس آجائے۔ چناں چہ وہ اپنے باپ کے علاج معالجے کے لیے کوشش کرتا ہے اور اس ضمن میں بابو جی سے بھی مدد کا خواستگار ہوتا ہے اور جب بابو جی نے فیکے کی بات میں دل چسپی کا اظہار کیا اور اسے بات جاری رکھنے کو کہا تو فیکے کی آنکھیں احسان مندی اور شکر گزاری کے سبب تر ہوگئیں۔ وہ کہنے لگا بابو جی اللہ تعالیٰ آپ پر احسان کرے، ابا نے رات چیخ پکار میں بسر کی، جیسے ہی دن نکلا، علاقے کے تمام کوچوان اکٹھے ہوگئے اور علاج کے بارے میں مشورہ دینے لگے۔ چچا شیدے نے مشورہ دیا کہ پوست کے ڈوڈے پانی میں ابال کر آنکھ دھوئی جائے۔ لیکن آنکھ دھونے کے باوجود بابا بے قرار ہے۔ ایک اور آدمی نے تجویز دی کہ پالک کے ساگ کو پانی میں ابال کر آنکھ پر باندھ دو۔ اس تجویز پر بھی عمل کیا گیا۔ مگر جب ساگ کھولا گیا تو بابا نے صاف کہہ دیا کہ میری آنکھ کی بینائی تو ختم ہوگئی ہے۔ جیسے ہی ابا نے یہ بات بتائی تو ہم رونے پیٹنے لگے۔

ہمارے معاشرے کی بدقسمتی یہ ہے کہ لوگوں کو ان کے بنیادی حقوق میسر نہیں ہیں۔ علاج معالجے کی سہولت فراہم کرنا ریاست کی ذمہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

داری ہوتی ہے لیکن ہمارے یہاں لوگوں کی اکثریت اس سہولت سے محروم ہے اور وسائل کی کمی کی وجہ سے لوگ ڈاکٹروں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے بیمار ہونے پر ٹونے ٹوٹکے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ جن سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔ فیکے کوچوان کے والد کی بینائی گئی تو آغاز میں ٹوٹکوں ہی کا سہارا لیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ فیکے کے والد کی بینائی بالکل ختم ہو کر رہ گئی۔

فیکے نے بتایا ہے کہ بابا کو علاج کے لیے ایک دو ہسپتالوں میں لے کر گئے مگر مریضوں کے رش کی وجہ سے جگہ نہیں ملی۔ بابو جی! راج گڑھ میں ایک کوچوان رہتا ہے، اس کی بیوی کا بھائی میو ہسپتال میں چوکیدار ہے۔ اس سے سفارش کروائی، دوپہر کو برآمدے میں جگہ مل گئی مگر بابو جی شام ہونے کو ہے نہ تو کوئی ڈاکٹر آیا اور نہ ہی کوئی نرس ابھی تک بابا کو دیکھنے آئی ہے۔ یہ کہنے کے بعد فیکے نے بابو جی کو ''صاحب لوگ'' کہہ کر التجا کرنا شروع کر دی اور درخواست کی کہ بابو صاحب اس کے ساتھ جائیں اور کسی ڈاکٹر سے سفارش کریں کہ وہ صدیقے مریض کو ذرا توجہ سے دیکھ کر اس کا علاج کرے۔

ایسا معاشرہ جہاں پر لوگ طبقات میں بٹے ہوئے ہوں، جہاں حق دار کو اس کا حق نہ مل رہا ہو وہاں پر اپنا حق لینے کے لیے بھی سفارش کرانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ معاشرہ لوگوں کو انصاف فراہم کرنے میں ناکام ہے۔ احمد ندیم قاسمی اس افسانے میں اسی سماجی حقیقت کی طرف ہمیں متوجہ کرتے ہیں۔

.....

اقتباس: ''میرے جسم میں نیند ابھی تک پوری طرح غائب نہیں ہوئی تھی۔ پھر نہانا تھا۔ شیو کرنا تھا۔ چائے پینی تھی۔ میں نے کہا ''میں تمھیں اپنا کارڈ دیے دیتا ہوں۔ وہ ڈاکٹر جبار کو دکھا دو۔ بڑے یار آدمی ہیں۔ فٹافٹ کام کر دیں گے۔ تمھارا باپ ایک بار وارڈ میں چلا جائے، پھر علاج کے لیے تو میں خود جا کر کہوں گا۔''

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** سفارش

مصنف کا نام: احمد ندیم قاسمی

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: احمد ندیم قاسمی مشہور شاعر اور افسانہ نگار تھے۔ افسانہ سفارش میں انھوں نے ہمارے معاشرتی رویوں پر تنقید کی ہے کہ ہم وہ کرتے نہیں جو کہتے ہیں۔ مصنف نے کوچوان کی سفارش کا کہا ضرور لیکن عملاً کچھ نہیں کیا۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے اپنے اندازِ سفارش اور فیکے کوچوان کی مجبوری کو موضوع بنایا ہے۔ انسانی رویہ اس کے مزاج کو ظاہر کرتا ہے۔ اس کی ترجیحات اور رجحانات کی عکاسی کرتا ہے۔ انسانیت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان دوسرے انسانوں کے دکھ درد کو اپنا دکھ درد سمجھے اور اسے دور کرنے کی کوشش کرے لیکن افسانے میں موجود بابو صاحب کہتے ہیں ابھی مجھ پر نیند کا اثر غالب تھا۔ بدن سست تھا، میں پوری طرح بیدار نہیں ہوا تھا۔ مجھے غسل کرنا تھا، چائے پینی تھی گویا میرے ذاتی کام میرے لیے زیادہ اہم تھے۔ میں نے فیکے کو ٹالتے ہوئے کہا کہ میں تمھیں اپنا کارڈ دے دیتا ہوں، وہ کارڈ ڈاکٹر جبار کو دکھا دینا، وہ میرے دوست ہیں۔ جیسے ہی میرے نام کا کارڈ دیکھیں گے فوراً کام کر دیں گے۔ تمھارا باپ ایک بار برآمدے سے مریضوں کے کمرے میں چلا جائے پھر میں خود ہسپتال جاؤں گا اور ڈاکٹر سے ملاقات کر کے علاج کے لیے کہوں گا۔ غریب فیکا اتنے میں خوش ہو گیا۔ میرے کارڈ کو ہاتھ میں حفاظت سے پکڑا اور چلا گیا، ایسے محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے ہاتھ میں دنیا جہان کی دولت ہے۔ ضرورت مند انسان کے لیے بعض اوقات جھوٹی تسلی بھی بہت ہوتی ہے۔ کارڈ لے کر فیکا کوچوان یہی سمجھا کہ اس کا کام ہو جائے گا۔ حالاں کہ یہ محض اس کی خوش گمانی تھی جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ احمد ندیم قاسمی اس مرحلے پر جہاں ایک مجبور آدمی کی نفسیاتی کیفیت کو پیش کرتے ہیں۔ وہاں زمینی حقائق سے بھی ہمیں دوچار کرتے ہیں۔ علاج معالجے کی سہولت ہر شہری کا بنیادی حق ہے جو ہمارے معاشرے میں لوگوں کو میسر نہیں

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ہے۔ بہر حال بابو صاحب نے صرف اتنا ہی لکھا تھا کہ یہ لاچار، بے بس اور بڑا مفلس آدمی ہے۔ آپ اس کا کام کر دیں یہ دعائیں دے گا۔ مجھے یقین تھا کہ کام آسانی سے ہو جائے گا۔ اس لیے کہ ڈاکٹروں کو تو صرف اتنا ہی دیکھنا تھا کہ آنکھ کی روشنی چلی گئی ہے یا تھوڑی روشنی باقی ہے۔ اور یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں کہ جسے ڈاکٹر کرنے میں پس وپیش سے کام لے۔ ایک ایسا کام جو ڈاکٹر کے فرائض میں شامل ہے اس کام کے کرانے کے لیے بھی سفارش کی ضرورت پڑ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کے اس شعبہ میں بھی جس کا مقصد ہی انسانیت کی خدمت ہے، لوگ اپنے فرائض خوش اسلوبی سے انجام نہیں دے رہے۔ عام طور پر صحت کے شعبے سے وابستہ افراد کے بارے میں یہی تاثر ہے کہ ان کے دل میں دکھی انسانیت کے لیے بڑا درد ہوتا ہے۔ اگر وہاں بھی سفارش کی ضرورت پڑ جائے تو پھر معاشرے کی حالت واقعی قابلِ رحم قرار پائے گی۔ ہماری روایتی سستی، بے پروائی اور اپنے آپ میں مگن ہونا معاشرے کے دیگر افراد کے حقوق سے غافل کر دیتا ہے۔ انسانی اقدار کا تقاضا ہے کہ ایک دوسرے کی مدد میں سستی اور تساہل سے کام نہ لیا جائے بلکہ بڑھ چڑھ کر، آگے بڑھ کر ضرورت مندوں کی مدد کرنی چاہیے۔ بابو ایک انسان دوست آدمی تو تھا مگر اپنی دنیا میں اتنا مگن کہ مدد کرنے کی صلاحیت رکھنے کے باوجود فیکے کی مدد نہ کر سکا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ کسی قدر کام کو آگے ٹالنے والا اور سست بھی تھا۔ نیند کے بعد کی سستی ہو کپڑے بدلنے کا بہانہ یا شیو کی ضرورت فیکے کی مدد کرنے میں آڑے آتے رہے اور وہ نیک دل آدمی اپنا فرض ادا نہ کر سکا۔ ہمارے عام معاشرتی رویے اسی طرح کے ہیں۔ ہم نیک دل بھی ہوتے ہیں خدا ترس بھی، شریف بھی ہوتے ہیں اور رحم دل بھی لیکن کبھی کبھی سستی ہمیں دوسروں کی مدد کرنے سے روک دیتی ہے۔ ہمارے اپنے چھوٹے اور معمولی کام بڑے بڑے انسانی حقوق اور غیر معمولی فرائض کی ادائی میں آڑے آتے ہیں۔ اسی طرح ہمارے روزمرہ کے معاملات میں سفارش کا عمل دخل بھی غریبوں اور ضرورت مندوں کی زندگی کو مشکل بنائے ہوئے ہے۔ آنکھ کے نازک ترین معاملے میں بھی سفارش کے بغیر کام کا نہ ہونا ایک بہت بڑے المیے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ زندگی کے حساس معاملات میں سفارش کا کلچر ایک زہر کی طرح پھیلتا جا رہا ہے اور ہم آہستہ آہستہ اس زہر کی نذر ہوتے جا رہے ہیں۔ انفرادی معاملات ہوں یا اجتماعی معاشرتی اقدار سفارش نے ہمیں مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ زندگی اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھنے کی بجائے تھم گئی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم مستعدی اور ذمہ داری سے اپنے فرائض ادا کریں تا کہ معاشرتی زندگی کا سفر اپنی فطری رفتار سے آگے بڑھے۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1۔ احمد ندیم قاسمی پیدا ہوئے:

(A) 1901ء (B) 1907ء (C) 1916ء (D) 1919ء

(بورڈ 2022)

2۔ ''سفارش'' کے مصنف کا نام ہے:

(A) احمد ندیم قاسمی (B) غلام عباس (C) شفیع عقیل (D) پریم چند

3۔ فیکے کے چہرے پر چھینٹا پڑ گیا:

(A) بھول پن کا (B) خوشی کا (C) غم کا (D) بیماری کا

4۔ فیکے کے باپ نے سرمہ کہاں سے لیا:

(A) گامے شاہ سے (B) مصری شاہ سے (C) لوہاری سے (D) دربار سے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

5۔ فیکے کے باپ نے کیا کہہ کر سرمہ آنکھ میں ڈالا:

(A) لقمان حکیم حکمت کا بادشاہ (B) لقمان حکیم دولت کا بادشاہ

(C) لقمان حکیم طاقت کا بادشاہ (D) لقمان حکیم بادشاہ

6۔ فیکے کے باپ نے سرمہ لیا:

(A) حکیم سے (B) پھیری والے سے (C) ڈاکٹر سے (D) دکان سے

7۔ فیکے کی آنکھوں میں نمی جاگی:

(A) ممنونیت کی (B) غم کی (C) بینائی کی (D) سفارش کی

8۔ پوسٹ کے ڈوڈے پانی میں اُبال کر آنکھ دھونے کا مشورہ دیا:

(A) چچا منیر نے (B) چچا رشید نے (C) چچا شیدے نے (D) چچا خورشید نے

9۔ پالک کا ساگ اُبال کر:

(A) باندھو (B) دھوؤ (C) لگاؤ (D) رکھو

10۔ راج گڑھ کے کوچوان کا سالا کہاں چوکیدار تھا:

(A) اتفاق ہسپتال (B) جنرل ہسپتال (C) میو ہسپتال (D) گلاب دیوی ہسپتال

11۔ وہاں ایک ڈاکٹر ہے:

(A) ڈاکٹر عبدالجبار (B) ڈاکٹر عبدالمنان (C) ڈاکٹر باسط (D) ڈاکٹر غفار

12۔ کچھ دور جا کر گھوڑا گرا رہا:

(A) 10 منٹ (B) 15 منٹ (C) 20 منٹ (D) 25 منٹ

13۔ آنکھ کے کسی کونے کھدرے میں بھورا پڑا رہ گیا ہو:

(A) بینائی کا (B) موتیے کا (C) سفیدی کا (D) سرخی کا

14۔ فیکا کیا لے کر چلا جیسے دنیا جہاں کی دولت سمیٹے لیے جا رہا ہے:

(A) کارڈ (B) خط (C) پیغام (D) پیسے

15۔ پاجامے سے کیا جھانک رہا ہو تو باری نہیں آتی:

(A) پاؤں (B) گھٹنا (C) ہاتھ (D) انگلی

16۔ فیکے کا باپ برآمدے میں پڑا رہا:

(A) دسمبر کی سردی میں (B) نومبر کی سردی میں (C) جنوری کی سردی میں (D) فروری کی سردی میں

17۔ میرے سوچے ہوئے فقرے ایک دوسرے سے:

(A) گھل مل گئے (B) اُلجھ گئے (C) گتھم گتھا ہو گئے (D) بتاتے ہیں

18۔ دوسرے ہی دن مصنف کو کس شہر جانا پڑا:

(A) اسلام آباد (B) ملتان (C) قصور (D) شیخوپورہ

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

19۔ فیکے کے باپ کا نام تھا:

(A) رفیقا (B) صدیقا (C) حنیفا (D) شفیقا

20۔ پہلوان فیکے کے اندر کون سا فیکا چھپا ہوا تھا:

(A) حساس (B) معصوم (C) دکھی (D) ڈرا ہوا

21۔ فیکے کے باپ کو میو ہسپتال سے کہاں بھیج دیا گیا تھا؟

(A) کوٹ مومن (B) کوٹ لکھپت (C) پنڈی (D) کراچی

22۔ رات کو نیند کے باعث مصنف کی کیا چیز دور ہو گئی تھی:

(A) شرافت (B) ندامت (C) حماقت (D) ظرافت

23۔ کوٹ لکھپت کے ہسپتال جانے کے لیے فیکے کی کتنی رقم خرچ ہوئی؟

(A) ایک روپیہ (B) دو روپے (C) دس روپے (D) بیس روپے

24۔ مصنف نے کپڑے تو بدل رکھے تھے اب کیا بدل رہا تھا؟

(A) فطرت (B) تیور (C) قسمت (D) سوچ

25۔ میں نے فیکے سے کہا کوئی بات نہیں فیکے ۔۔۔۔۔۔۔۔

(A) کوئی بات نہیں (B) کوئی ہرج نہیں (C) کوئی سوچ نہیں (D) کچھ نہیں

26۔ بابو جی کے تانگے کا گھوڑا کتنی دیر گرا رہا: (بورڈ 2014ء)

(A) دس منٹ (B) سات منٹ (C) آٹھ منٹ (D) دس بارہ منٹ

27۔ سبق ''سفارش'' میں فیکا کیا کام کرتا تھا: (بورڈ 2016ء)

(A) ڈرائیوری (B) کوچوانی (C) مزدوری (D) کلرکی

28۔ گلی کے موڑ پر ہر وقت تانگے موجود رہتے ہیں:

(A) دو چار (B) تین چار (C) چار پانچ (D) پانچ چھ

29۔ احمد ندیم فوت ہوئے:

(A) 2001ء (B) 2005ء (C) 2006ء (D) 2010ء

جوابات

A	-5	B	-4	A	-3	A	-2	C	-1
C	-10	A	-9	C	-8	A	-7	A	-6
B	-15	A	-14	A	-13	A	-12	A	-11
A	-20	B	-19	D	-18	C	-17	A	-16
A	-25	B	-24	B	-23	B	-22	B	-21
		C	-29	B	-28	B	-27	A	-26

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

08

چراغ کی لو

(ہاجرہ مسرور)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
چراغ کی لو	دیے کا شعلہ۔ دیے کی لاٹ
بھیانک	خوف ناک
ڈھانچے	ہڈیوں کے پنجر۔ خاکے
جی اُلٹنا	دل گھبرانا
چرمرایا	بے ڈھنگی آواز پیدا کرتے ہوئے دروازہ کھلا
جھلاکر	حواس باختہ ہوکر
وحشت زدہ	خوف ناک
مانوس	شناسا۔ واقف
کھچڑی ڈاڑھی	الجھے ہوئے بالوں والی ڈاڑھی جس میں سفید اور سیاہ بال ہوں
لکیروں سے پٹی ہوئی پیشانی	بڑھاپے یا مسلسل پریشانی سے ماتھا سلوٹوں سے بھر گیا تھا۔
بیڑی	ڈھاک کے پتے میں تمباکو رکھ کر بنایا گیا دیسی سگریٹ
طاق	محراب دار ڈاٹ۔ دیوار میں چراغ رکھنے کے لیے بنائی گئی چھوٹی سی الماری
جھونجھ	گھونسلا۔ الجھے ہوئے گھونسلا نما بال
چھالیٹن	سستا پھول دار کپڑا
چیتھڑے	پھٹے پرانے کپڑے
گدڑوں	پیوند لگے پھٹے ہوئے کپڑے
لیرے لیرے	پھٹے پرانے۔ چیتھڑے
گھیر گھار والا پاجامہ	سوتی کپڑے کا کھلے گھیرے والا پاجامہ

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دالان	برآمدہ۔کھلا ہوادار کمرا
پٹی	چارپائی کے پہلو کی لکڑی
ٹھسکے دار کھانسی	مسلسل خشک کھانسی جوٹی بی کے مرض میں ہوتی ہے۔
ہُن برسنا	دولت کی ریل پیل ہونا
دور موئی تجھے اپنی ٹکیا کی روٹی سے مطلب	چلو ہٹو بد بخت اپنے کام سے کام رکھو۔ تجھے کسی کی دولت سے کیا غرض
بھونڈی	بدنما، بدصورت
لالے پڑنا	فکر لاحق ہونا، خطرے میں پڑنا
لونڈی	لڑکی، غلام عورت
کوڑی کی دوا	معمولی رقم کی دوا
گھر بار کا کرنا	شادی کر دینا
دماغ چلنا	پاگل ہو جانا، دماغ خراب ہونا
اٹھواروں	آٹھویں دن
پیروں کا قیمہ بننا	ہجوم کے باعث پاؤں کا کچلا جانا
بھری ہوئی پتلیاں	موت کے آثار ظاہر ہونا، حالت خراب ہونا
قناعت کرنا	اکتفا کرنا، صبر کرنا
پیچ وتاب کھانا	سخت بے چین ہونا
ڈھنڈورا پیٹنا	منادی کرنا، جا بجا کہتے پھرنا، واویلا کرنا

خلاصہ: (بورڈ 2007, 08, 09, 11, 17, 19, 22)

ہاجرہ مسرور معروف افسانہ نگارہ تھیں۔ "چراغ کی لو" ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ام الخبائث غربت کے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

شام کی اداس تاریکی بڑھتی جا رہی تھی اور گھر کی دیواریں اندھیرے میں ڈوب کر بڑی بھیانک لگ رہی تھیں۔ اچھن بے چینی کے ساتھ اپنے باپ کا انتظار کر رہی تھی جو کام سے آ کر بغیر بتائے کہیں چلا گیا تھا۔ اسے گھر کی سنسان تاریکی میں ہر طرف سفید کپڑوں میں لپٹے ہوئے ڈھانچے گھومتے پھرتے نظر آتے تھے۔ یہ تو اس کا وہم ہی وہم تھا کیوں کہ جسم کی کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کا دماغ بھی کمزور ہو گیا تھا۔ وہ رونا چاہتی تھی مگر آنسو اس کے حلق میں پھنس کر رہ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد اچھن کا باپ گھر واپس آ گیا۔ اندھیرے میں چارپائی سے ٹھوکر کھائی تو

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پوچھا کہ اب تک چراغ کیوں نہیں جلایا؟ اس نے ایک بیڑی سلگائی اور چراغ جلانے کے لیے دیا سلائی کی ڈبیا اچھن کو دے دی۔ بیڑی کے دھویں سے اچھن کا جی الٹنے لگا تو اس نے اپنے باپ کو منع کیا جس پر باپ کو غصہ آیا۔ اچھن نے دالان میں پہنچ کر دیا سلائی سے سیاہ طاق میں رکھے ہوئے چراغ پر مدھم سی لو روشن کر دی اور اپنا سر طاق کے برابر ٹیک کر اُسے پتلیاں پھرا پھرا کے دیکھنے لگی۔ وہ اس طرح کھڑی بڑی بھیانک لگ رہی تھی جیسے وہ دیوار سے ٹک کر مر گئی ہو۔

ابھی دوسرا ہی سال تھا کہ اسی حالت میں باپ نے اچھن کی ماں کو بستر پر پڑے دیکھا تھا۔ اچھن کے باپ کے پاس اس کے کفن دفن کے لیے پیسے نہ تھے۔ جس پر اس کے مالک نے اسے پچیس روپے کی امداد دی تھی اور اب اچھن کی حالت بھی ویسی ہی تھی جسے دیکھ کر اس کا باپ بے چارا سوچ میں پڑ گیا۔ اچھن کا باپ ایک تاجر کی دکان پر دس روپے ماہوار پر منشی کا کام کرتا تھا۔ وہ اچھن کو سرکاری ہسپتالوں کی دوائیں ہی دلا سکتا تھا جو مزید بیمار کرتی ہیں۔ بیس سال گزرنے کے باوجود اُس کی تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوا تھا جب کہ مہنگائی بہت بڑھ گئی تھی۔ اُس نے جب یہ دیکھا کہ مل مزدوروں، کسانوں اور بوجھ اُٹھانے والوں کا معاوضہ بڑھ گیا ہے تو اُس کے دل میں خیال آیا کہ وہ مالک سے تنخواہ بڑھانے کی درخواست کرے۔ مالک نے اُس کا ارادہ بھانپ کے اُس کی غلطیاں نکالنی شروع کر دیں تو اُسے ڈر لگنے لگا کہ کہیں ان دس روپوں کے لالے بھی نہ پڑ جائے۔ پاس پڑوس والے اس سے کہتے کہ لڑکی کی شادی کر دو۔ اچھا کھائے پیے گی تو خود ہی اچھی ہو جائے گی۔ مگر وہ یہ نہ سوچتے کہ غریب کی لڑکی کسی غریب کے گھر ہی جائے گی نا! اور غریب کی بیوی کیا کھائے گی اور کیا پہنے گی؟

اچھن دیوار سے سر ٹیکے یوں کھڑی تھی جیسے اس کی جان ہی نکل گئی ہو۔ باپ کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ وہ یہ سوچ رہی ہے کہ ذرا چراغ کی لو بڑھا دے۔ یہ سن کر باپ پر سے بھاری بوجھ ہٹ گیا کہ اتنی معمولی سی بات کے لیے وہ اتنی دیر سے یوں کھڑی تھی۔ باپ نے جواب دیا کہ رش کی وجہ سے دو پیسے کا مٹی کا تیل بڑی مشکل سے ملتا ہے اور تو روز روز لو بڑھانے کی ضد کرتی رہتی ہے۔ تجھے اتنا ہی تیل مل سکتا ہے کہ چراغ جلتا رہے۔ اچھن کو اپنے باپ پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اس قدر معمولی روشنی پر اکتفا کیوں کرتا ہے جب کہ گلی کے نکڑ پر دو منزلہ گھر میں رات بھر لالٹینیں روشن رہتی ہیں۔ اچھن کا پاگل دماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اگر چراغ کی لو بڑھانے کے لیے لڑ بھڑ کر بازار سے تیل ملنے بھی لگے تو اس کے لیے روز دو پیسے کہاں سے آئیں گے؟ جب کہ اس کے باپ کو بس اتنا ہی معاوضہ ملتا ہے کہ وہ گھر میں موجود چراغ کی طرح جینے کی بھونڈی سی نقل اُتار سکتا ہے۔ اچھن پیچ و تاب کھاتی ہوئی اپنی چارپائی پر لڑھک گئی۔ اس کا جی گھبرا رہا تھا اور اسے سارے گھر میں گھومتے پھرتے ڈھانچے دکھائی دے رہے تھے اور ان کی ہڈیوں کی چٹخ اور نئے سفید کپڑوں کی مدھم کھڑکھڑاہٹ صاف سنائی دے رہی تھی۔ وہ زور زور سے رونا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کا ذخیرہ اس کے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔

(سب افسانے میرے)

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: دکان میں ہُن برس رہا تھا۔ مالک کے نام پر بینک میں سونے چاندی کے پہاڑ کھڑے ہو رہے تھے تو اسے کیا۔ وہی مثل کہ بی بی عید آئی۔ جواب ملا۔ دور موئی تجھے اپنی ٹکیا روٹی سے مطلب..... اسے تو جیسے اپنے دس روپوں کے سائے میں بٹھا دیا گیا تھا۔ جہاں ضروریات زندگی کی قیمتوں کا دائرہ روز بروز تنگ ہی ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے سنا کہ مل مزدوروں نے مہنگائی بھتہ لینا شروع کر دیا۔ کسانوں کی بن آئی۔ معمولی دکانوں کے ملازموں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہو گیا اور یہاں تک کہ بوجھ اٹھانے والوں نے بھی اپنی مزدوری بڑھا دی تو اس کے دل میں بھی امنگ اٹھی کہ مالک سے صاف کہہ دے کہ میری تنخواہ بڑھاؤ.....

(بورڈ 2018ء)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: چراغ کی لو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

مصنفہ کا نام: ہاجرہ مسرور

سیاق وسباق:

اچھن اندھیرے اور تنہائی سے خوف زدہ ہو کر اپنے باپ کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کے ذہن پر ہڈیوں کی چیخ اور نئے سفید کپڑوں کی کھڑکھڑاہٹ چھا گئی۔ باپ گھر آیا تو اس نے چراغ کی ٹمٹماتی لو میں اپنا سر دیوار کے ساتھ ٹیک دیا۔ باپ اچھن کی حالت دیکھ کر خوفزدہ ہو گیا اور اسے اچھن کی ماں یاد آئی جو اسی کیفیت میں مری پڑی تھی لیکن بجائے رونے کے وہ کفن کے لیے فکر مند تھا۔ وہ بیچارہ دس روپے ماہوار کا ادنیٰ سا ملازم تھا۔ اس کے سامنے مہنگائی آسمان سے باتیں کر رہی تھی اور وہ اپنی تنخواہ بڑھانے کی آرزو بھی نہیں کر سکتا تھا اچھن نے چراغ کی لو بڑھانے کی خواہش کی تو باپ کو غصہ آ گیا۔ غریب کی زندگی چراغ کی لو جیسی ہوتی ہے۔ جس طرح چراغ کی بے نام روشنی ہے اسی طرح غریب کی زندگی جینے کی بھونڈی سی نقل ہے۔ اچھن رونا چاہتی تھی مگر آنسوؤں کا ذخیرہ اُس کے حلق میں پھنس کر رہ گیا۔

تشریح: ہاجرہ مسرور معروف افسانہ نگارہ تھیں۔ چراغ کی لو ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ام الخبائث غربت کے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنفہ نے اچھن کے گھر کی عسرت کا تذکرہ کیا ہے۔ ہر وہ معاشرہ جو مختلف طبقات میں بٹا ہوا ہو۔ وہاں نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے زندگی گزارنا انتہائی دشوار ہو جاتا ہے۔ ان کی خواہش ہوتی ہے کہ انھیں بھی اسبابِ زندگی میسر ہوں لیکن یہ خواب عام طور پر شرمندۂ تعبیر نہیں ہوتا۔ اچھن کا باپ جس دکان پر حساب کتاب لکھا کرتا تھا، ذخیرہ اندوزی کی وجہ سے دولت کے انبار اکٹھے کرنے لگی۔ مالک نے لڑائی شروع ہونے سے قبل جو چیزیں دو پیسے کو لے کر دکان میں بھری تھیں وہ لڑائی شروع ہوتے ہی مہنگی ہوتی چلی گئیں۔ یہاں تک کہ دو پیسے کی چیز نے آٹھ دس گنا نفع دیا گویا جیسے جیسے چیزیں پرانی ہوتی گئیں ویسے ویسے قیمتی بھی۔ مالک کے نام پر بینک میں سونے چاندی کے پہاڑ کھڑے ہو رہے تھے۔ دولت بے حساب جمع ہونے لگی، مالک کی ذخیرہ اندوزی نے لاکھوں کا منافع دیا لیکن منشی بیچارا دس روپے ماہوار کا ہی ملازم رہا۔ مثل مشہور ہے کہ ''بی بی عید آئی۔ جواب ملا۔ "دور موئی تجھے اپنی ٹکیا روٹی سے مطلب'' یعنی غریب بے چارا روزگار کے مسائل میں ایسا الجھتا ہے کہ خوشی کا لمحہ بھی اس کی زندگی میں مسرت نہیں لاتا۔ مالک کے نام پر اگر دولت کے انبار جمع ہو رہے تھے تو اس سے منشی کو کیا فائدہ اسے تو جیسے دس روپے بھی بڑی جان جوکھم سے ملتے اور دس روپے کی حقیر رقم اس کے لیے زندگی کی ضروریات پوری کرنے کا ذریعہ تھی۔ حالاں کہ مہنگائی نے قیمتوں میں ایسا اضافہ کیا کہ زندگی گزارنا دوبھر ہو چکا تھا اور بنیادی ضرورتیں اس کے گرد دائرہ تنگ کرنے لگیں۔ اچھن کے باپ نے سنا کہ مل مزدوروں نے بھی مہنگائی بڑھتے ہی اضافی تنخواہ کا مطالبہ کر دیا اور کسانوں کی بھی سنی گئی، ہر شعبۂ زندگی اور ہر سطح پر لوگوں کی تنخواہوں اور معاوضوں میں اضافہ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ معمولی دکانوں کے ملازموں کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہو گیا۔ بوجھ اٹھانے والے مزدوروں نے بھی اپنے معاوضے میں اضافہ کر دیا۔ غرض حالات کے پیشِ نظر مہنگائی کے ساتھ ساتھ آمدن بھی بڑھنے لگی تو اس غریب منشی کے دل میں بھی خواہش اٹھی کہ مالک سے صاف کہہ دے کہ میری تنخواہ میں بھی اضافہ کرے کیوں کہ بیس سال قبل بھی بیچارا دس روپے پاتا تھا حالاں کہ اب مہنگائی بہت بڑھ گئی تھی جب اچھن کی ماں مری تو آٹا چار سیر روپے کا مل جاتا تھا اور اب لڑائی کے بعد ڈھائی روپے سیر بھی مشکل سے ملتا ہے۔ یہی نہیں زندگی کی تمام بنیادی ضرورتیں بڑھ چکی تھیں لیکن وہ بے چارا پرانا معاوضہ ہی پا رہا تھا۔

میکسم گورکی نے کہا تھا کہ ''لوگوں کی اکثریت زندگی گزارنے کی تیاریوں میں ساری زندگی گزار دیتی ہے''۔ طبقاتی معاشرے میں افلاس زدہ طبقے کی موجودگی بتاتی ہے کہ سبھی لوگوں کو ان کے حقوق میسر نہیں ہیں۔ لوگ ناسمجھی کی وجہ سے، کمزور ہونے کی وجہ سے، اپنی صلاحیتوں، اپنی اہمیت سے ناواقف ہونے کی بنا پر خود کو بے بس محسوس کرنے لگتے ہیں۔ اچھن کا باپ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے تو تنخواہ میں اضافے کے خیال پر خود کو مطعون کرنے لگتا ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اقتباس: اسے اپنے ابا پر غصہ آ رہا تھا کہ آخر وہ اس برائے نام روشنی پر قناعت کیوں کرتے ہیں؟ مٹی کا تیل اسے روزانہ کیوں نہیں ملتا؟ جب جب کہ گلی کے نکڑ والے خوب صورت دو منزلہ گھر میں تمام رات بڑی بڑی لالٹینوں کی روشنی ہوتی رہتی ہے..... لیکن اس کا جھنجھلایا ہوا دماغ یہ سوچ ہی نہ سکا کہ اگر تیل لڑے بھڑے ملنے بھی لگے تو اس مد کے لیے دو پیسے روز کس کے گھر سے آئیں گے جب کہ اس کے باپ کو سخت محنت کی قیمت صرف اتنی ہی ملتی ہے کہ وہ جیے تو کیا ہاں جینے کی بھونڈی نقل اتارتا رہے۔ (بورڈ 2007,16)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** چراغ کی لو

مصنفہ کا نام: ہاجرہ مسرور

سیاق وسباق:

اس اقتباس کے لیے پہلے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: ہاجرہ مسرور معروف افسانہ نگارہ تھیں۔ چراغ کی لو ان کا معروف افسانہ ہے جس میں ام الخبائث غربت کے اثرات کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنفہ نے اچھن کے گھر کی عسرت کا تذکرہ کیا ہے۔ انسانی خواہشات کا تعلق ضروریات سے ہوتا ہے یا ماحول سے، انسان کو جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کے حصول کی خواہش دل میں پیدا ہوتی ہے بعض اوقات انسان کو کسی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی لیکن جب انسان یہ دیکھتا ہے کہ فلاں فلاں نعمت دوسرے لوگوں کے پاس موجود ہے تو اس کا جی بھی چاہتا ہے کہ وہ بھی ان نعمتوں سے مستفید ہو۔ اچھن جب دیکھتی ہے کہ محلے میں گلی کی نکڑ پر موجود گھر ساری رات روشن رہتا ہے تو وہ بھی چاہتی ہے کہ گھر میں موجود چراغ کی لو بڑھا لے لیکن باپ اس پر راضی نہیں ہوتا کیوں کہ اس کے نزدیک اندھیرے کو روشنی میں بدلنا پاگل پن کے مترادف تھا۔ ''چراغ کی لو'' اپنے اختتام پر پہنچ کر طبقاتی فرق کو دوٹوک انداز میں نمایاں کرتا ہے۔ ہاجرہ مسرور اچھن کے معصومانہ سوالوں کے ذریعے اس امتیاز کو واضح کرتی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ''میں نے کوئی امیر ایسا نہیں دیکھا جس نے کسی غریب کا حق غصب نہ کیا ہو''۔ اچھن دکھائی دینے والا فرق محسوس کرتی ہے، باپ کے سامنے اس کا اظہار بھی کر دیتی ہے لیکن وہ اس حقیقت کے پس پردہ موجود پیچیدگی کو سمجھ نہیں پاتی کہ معاشرے میں موجود طبقاتی فرق کب سے موجود ہے اور کیوں موجود ہے لیکن اس تسلط کو وہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اپنے باپ کے لیے بھی اس کے دل میں غصہ بھر جاتا ہے کہ وہ اس تقسیم کو کیوں قبول کیے ہوئے ہے۔ یہ روشنی جو اندھیرے کو دور نہیں کر سکتی یہ نہ ہو تو بہتر ہے۔ کم سے کم یہ تسلی تو نہ ہو کہ چراغ روشن ہے۔ اچھن طبقاتی تقسیم کو ختم کرنے کی خواہش مند ہے لیکن یہ نہیں جانتی کہ یہ تبدیلی کیسے ممکن ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ انسانی ضروریات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(i) بنیادی یا اقتصادی ضروریات جن میں غذا، لباس، گھر، دوادارو اور تعلیم وغیرہ شامل ہیں۔

(ii) سماجی ضروریات جن میں سنگت (Relatedness)، شناخت، سوچ کی سمت کا تعین، نئے نظریات کی تشکیل اور پرانے نظریات پر نظر ثانی کرنا شامل ہے۔

ایک منظم اور فلاحی معاشرے میں انسان کی یہ دونوں طرح کی ضروریات پوری ہوتی ہیں لیکن برصغیر کا معاشرہ ماضی کی طرح آج بھی لوگوں کی سماجی ضروریات تو ایک طرف رہیں بنیادی ضروریات بھی فراہم کرنے میں ناکام رہا ہے۔ امیر اور غریب کی تقسیم چوں کہ انسانی فطرت کے خلاف ہے اس لیے ہر سچا انسان اس تقسیم کے خلاف ہے۔ وہ اسے مناسب الفاظ کا جامہ پہنا سکے یا نہیں۔ وہ اس کے پس پشت موجود عوامل کا تعین کر سکے یا نہ کر سکے۔ وہ فطری طور پر اسے ناپسند کرتا ہے۔ اچھن بھی اس تقسیم پر راضی نہیں اور اسے بدلنے کی خواہش رکھتی ہے۔

.....

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کثیر الانتخابی سوالات

س۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

1۔ ہاجرہ مسرور کا سنِ ولادت ہے:

(A) 1929ء (B) 1928ء (C) 1926ء (D) 1920ء

2۔ شام کی تاریکی میں ہر چیز پڑتی جا رہی تھی:

(A) سفید (B) کالی (C) دھندلی (D) چمکیلی

3۔ دیواریں' اندھیرے میں ڈوب کر ہوتی چلی جا رہی تھیں:

(A) خوفناک (B) بھیانک (C) چھوٹی (D) بڑی

4۔ اچھن کو لگا جیسے وہ نہا گئی ہو:

(A) سفید رنگ میں (B) سیاہ رنگ میں (C) انتظار میں (D) موت میں

5۔ اندھیرا اور تنہائی اس کا جی الٹنے لگا تو اُٹھ کر بیٹھ گئی:

(A) سوئی ہوئی (B) کھانستی ہوئی (C) لیٹی ہوئی (D) چلتی ہوئی

6۔ اچھن کو انتظار تھا: (بورڈ 2019ء)

(A) باپ کا (B) ماں کا (C) تیل کا (D) روشنی کا

7۔ اچھن کا جی چاہا کہ زور زور سے:

(A) ہنسے (B) روئے (C) بھاگے (D) چیخے

8۔ اچھن کو سامنے کی کوٹھری سے نکل کر سارے گھر میں گھومتے ہوئے نظر آئے:

(A) ڈھانچے (B) کبوتر (C) ہرن (D) لوگ

9۔ ڈھانچے کون سے کپڑوں میں لیٹے ہوئے تھے:

(A) سفید (B) کالے (C) نیلے (D) سرخ

10۔ اچھن کے باپ نے کیا پوچھا:

(A) کھانا نہیں کھایا (B) چراغ نہیں جلایا (C) دوا نہیں لی (D) چائے نہیں پی

11۔ اچھن کے باپ نے ٹھوکر کھائی:

(A) چارپائی سے (B) پلنگ سے (C) میز سے (D) دروازے سے

12۔ اچھن کے باپ نے پوچھا:

(A) پیار سے (B) نفرت سے (C) جھلا کر (D) ہنس کر

13۔ اچھن نے باپ کو کیا چیز نہ ہونے کا بتایا؟

(A) دیا سلائی (B) قینچی (C) چھتری (D) چھڑی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

14۔ باپ نے دیا سلائی نکال کر سلگائی:

(A) موم بتی (B) بیٹری (C) لکڑی (D) تختی

15۔ اچھن کے باپ کا چہرہ بڑا نظر آیا:

(A) خوب صورت (B) وحشت زدہ (C) بھیانک (D) سانولا

16۔ اچھن کے باپ کی پیشانی پٹی ہوئی تھی:

(A) بالوں سے (B) لکیروں سے (C) پسینے سے (D) پانی سے

17۔ اچھن کے باپ کی ڈاڑھی تھی:

(A) سفید (B) کالی (C) سرخ (D) کھچڑی

18۔ اچھن کے باپ کی مونچھیں تھیں:

(A) اوندھی (B) سفید (C) باریک (D) بڑی

19۔ اچھن کے باپ کی آنکھیں تھیں:

(A) چھوٹی (B) بڑی (C) اُبلی ہوئی (D) نیلی

20۔ بیڑی کے دھویں سے اچھن کا جی رہا تھا:

(A) تِلملا (B) بلبلا (C) متلا (D) خوش

21۔ اچھن نے باپ کو منع کیا:

(A) بیڑی پینے سے (B) چائے پینے سے (C) کھانے سے (D) سونے سے

22۔ بیڑی کا بنڈل چھے پیسے کا ہونے پر اچھن کا باپ دن اور رات میں بیڑیاں پیتا: (بورڈ 2019ء)

(A) دو (B) تین (C) چھ (D) چار

23۔ اچھن دیا سلائی کی ڈبیاں لے کر رینگ گئی:

(A) دالان میں (B) برآمدے میں (C) اپنے کمرے میں (D) بیٹھک میں

24۔ سیاہ طاق میں رکھے ہوئے چراغ پر مدھم سی چمکنے لگی:

(A) لو (B) کِرن (C) روشنی (D) آگ

25۔ اچھن پُتلیاں پھرا کر دیکھنے لگی:

(A) اپنے باپ کو (B) چارپائی کو (C) طاق کو (D) چراغ کی لو کو

26۔ اچھن نے اپنا سر برابر ٹیک دیا:

(A) چارپائی کے (B) دیوار کے (C) طاق کے (D) تکیے کے

27۔ اچھن کے باپ نے بیڑی دوبارہ پینے کے خیال سے جمادی:

(A) چارپائی پر (B) بستر پر (C) میز پر (D) کان پر

28۔ اچھن کے باپ نے اچھن کو دیکھا تو اُسے لگا:

(A) دھچکا (B) جھٹکا (C) بُرا (D) اچھا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

29۔ اندھیرے میں پناہ ڈھونڈتی ہوئی روشنی میں کھڑی اچھن لگ رہی تھی:

(A) خوب صورت (B) بدصورت (C) بھیانک (D) معصوم

30۔ اچھن کے الجھے الجھائے بال لگ رہے تھے:

(A) جھونجھ جیسے (B) رسی جیسے (C) سانپ جیسے (D) رات جیسے

31۔ اچھن کے ہونٹ تھے:

(A) بند (B) کُھلے (C) نازک (D) سفید

32۔ اچھن کی پُتلیاں تھیں:

(A) پھری ہوئی (B) مُڑی ہوئی (C) بند (D) کھُلی

33۔ اچھن کے باپ کو لگا جیسے وہ دیوار سے ٹِک کر ہو:

(A) مرگئی (B) سوگئی (C) چپک گئی (D) بیٹھ گئی

34۔ اچھن کی ماں کو مرے ہوئے سال تھا:

(A) پہلا (B) دوسرا (C) تیسرا (D) چوتھا

35۔ اچھن کی ماں کے مرنے پر اُس کا باپ پھیر میں پڑ گیا:

(A) شادی کے (B) قرض کے (C) جائیداد کے (D) گزوں نئے کپڑے کے

36۔ غریبوں کو امیروں کی برابری کرنے کا موقع ملتا ہے:

(A) شادی کے بعد (B) پیدائش کے بعد (C) نوکری کے بعد (D) مرنے کے بعد

37۔ اچھن کی ماں زندگی میں ہر ایک کے سامنے پھری تھی:

(A) سفید کپڑوں میں (B) لیرے لیرے کپڑوں میں (C) نئے کپڑوں میں (D) پرانے کپڑوں میں

38۔ اچھن کے باپ نے دروازے کھٹکھٹائے:

(A) دوستوں کے (B) ہمسایوں کے (C) جان پہچان والوں کے (D) امیروں کے

39۔ اچھن کی ماں عرصے سے چھالیٹن کے ایک پاجامے کو ترستی رہی:

(A) گھیر کھار والے (B) نئے (C) پرانے (D) سفید

40۔ غریب عورت کا بے جان جسم پڑا تھا:

(A) فرش پر (B) سڑک پر (C) چیتھڑوں گدڑوں پر (D) میز پر

41۔ اچھن کی ماں کو دنیا کے قاعدے کے بموجب چاہیے تھا:

(A) روپیہ (B) سکون (C) کفن (D) گھر

42۔ اچھن کا باپ سب سے مایوس ہو کر پاس گیا:

(A) مالک کے (B) والد کے (C) بھائی کے (D) دوست کے

43۔ اچھن کا باپ کتنی تنخواہ لیتا تھا:

(A) چھ روپے (B) دس روپے (C) پچاس روپے (D) سو روپے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

44۔ اچھن کا باپ دس روپے کے عوض صبح سے شام تک کیا کرتا تھا:

(A) حساب لکھتا (B) صفائی کرتا (C) کپڑے دھوتا (D) وزن اُٹھاتا

45۔ اچھن کے باپ نے مالک کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کہا میرے گھر میں پڑی ہے:

(A) بے کفن لاش (B) مصیبت (C) دولت (D) پریشانی

46۔ اچھن کے باپ نے مالک سے مانگا:

(A) قرض (B) مکان (C) کپڑا (D) پانی

47۔ تاجر مالک نے اچھن کے باپ کو روپے دیے:

(A) دس (B) پندرہ (C) بیس (D) پچیس

48۔ اچھن دیوار سے سر ٹیکے پتلیاں پھرائے تکے جا رہی تھی:

(A) باپ کو (B) دیوار کو (C) چراغ کی مدھم لو کو (D) چھت کو

49۔ جب اچھن کی ماں مری تو بازار میں آٹا روپے کا کتنے سیر تھا:

(A) چار سیر (B) دو سیر (C) پچاس سیر (D) سو سیر

50۔ لڑائی ختم ہوتے ہی دو پیسے کی چیز نے کتنا نفع دیا:

(A) دوگنا (B) چار گنا (C) چھ گنا (D) آٹھ دس گنا

51۔ اچھن کے باپ کو پاس پڑوس کے لوگ مشورہ دیتے:

(A) اچھن کی شادی کا (B) تجارت کا (C) دوسری نوکری کا (D) دوسری شادی کا

52۔ اچھن نے اپنے باپ سے آرزو کی:

(A) نئے کپڑوں کی (B) برتن کی (C) چائے کی (D) چراغ کی لو بڑھانے کی

53۔ اٹھواروں میں مٹی کا تیل ملتا تھا:

(A) چھ پیسے کا (B) چار پیسے کا (C) دو پیسے کا (D) ایک پیسے کا

54۔ گلی کے نکڑ والے گھر کی منزلیں تھیں:

(A) چار (B) تین (C) پانچ (D) دو

55۔ دو منزلہ گھر میں روشنی رہتی تھی:

(A) لالٹینوں کی (B) چراغوں کی (C) بلبوں کی (D) موم بتیوں کی

56۔ سبق ''چراغ کی لو'' کا ماخذ ہے: (بورڈ 2017ء)

(A) سب افسانے میرے (B) کپاس کا پھول (C) جاڑے کی چاندنی (D) آخری تحفہ

57۔ سبق ''چراغ کی لو'' کے مصنف کا کیا نام ہے:

(A) غلام عباس (B) ہاجرہ مسرور (C) احمد ندیم قاسمی (D) خدیجہ مستور

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

58۔ ہاجرہ مسرور کی وفات ہوئی:

(A) 2002ء (B) 2010ء (C) 2012ء (D) 2020ء

جوابات

B	-5	B	-4	B	-3	C	-2	A	-1
B	-10	A	-9	A	-8	B	-7	A	-6
B	-15	B	-14	A	-13	C	-12	A	-11
C	-20	C	-19	A	-18	D	-17	B	-16
D	-25	A	-24	A	-23	D	-22	A	-21
A	-30	C	-29	A	-28	D	-27	C	-26
D	-35	B	-34	A	-33	A	-32	B	-31
C	-40	A	-39	C	-38	B	-37	D	-36
A	-45	A	-44	B	-43	A	-42	C	-41
D	-50	A	-49	C	-48	D	-47	A	-46
A	-55	D	-54	C	-53	D	-52	A	-51
				C	-58	B	-57	A	-56

www.pakcity.org
EDUCATION
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

09

مکتوباتِ غالبؔ

(مرزا اسداللہ خاں غالبؔ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
مکتوبات	مکتوب کی جمع، خط، چٹھی، نامہ، مراسلہ
نواب مصطفٰے خان شیفتہؔ	جہانگیر آباد کے جاگیردار تھے۔ غالبؔ کے دوست تھے۔ 1857ء کی جنگ میں باغیوں کی مدد کے الزام میں سات سال قید کی سزا سنائی گئی لیکن نواب صدیق حسن کی سفارش پر رہا کر دیے گئے۔
تقصیر	غلطی، قصور، گناہ، جرم
املاک	ملکیت، جائیداد
ہنوز	ابھی تک
لاہوری دروازہ	فصیلِ شہرِ دہلی کا ایک دروازہ جس سے موسوم اور منسلک محلّہ بھی تھا۔
بید	کوڑا، چھڑی، تازیانہ
کالوں کا وقت	ہندوستان کا مغل عہدِ حکومت
نورِ چشم	بیٹا
میر سرفراز حسین	میر مہدی حسین مجروح کے بھائی جو پانی پت میں رہتے تھے۔
برخوردار	زندگی کا پھل کھانے والا۔ بیٹا
میر مہدی حسین مجروح	میر حسین فگار کے بیٹے، غالبؔ کے دوست اور شاگرد تھے۔ 1857ء کے ہنگامے میں پانی پت چلے گئے۔
میرن صاحب	میر افضل علی نام، میر مہدی مجروح کے بڑے بھائی تھے، مرثیے پڑھتے تھے۔ غالبؔ نے میر افضل علی کا نام میرن رکھا تھا۔
میر نصیرالدین	میرن کے دوست، شاہ محمد عالم کی اولاد میں سے تھے۔ صوفی شیخ نصیرالدین چراغِ دہلوی کے نام کی رعایت سے غالبؔ انھیں چراغِ دہلی کہتے تھے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ڈاک	مراد ہے ڈاک گاڑی، بگھی یا تیز رفتار مال گاڑی جو ڈاک لاتی لے جاتی تھی۔ ان گاڑیوں میں سفر کرنے کی گنجائش بھی ہوتی تھی۔ (یہاں چٹھی رسانی کا محکمہ مراد نہیں ہے)
چھت چھلنی ہوگئی	چھت جگہ جگہ سے ٹپک رہی ہے۔
چلمچی	منھ ہاتھ دھونے کا برتن
اگال دان	تھوک دان
توشہ خانہ	سٹور، گھر کا سامان ذخیرہ کرنے کا کمرا
کشتیِ نوح علیہ السلام	حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جس میں طوفان کے وقت تمام اہلِ ایمان محفوظ رہے تھے۔ بارش کے باعث پانی ہی پانی تھا۔ غالب کا گھر ہر طرف سے پانی کی زد میں تھا اس لیے گھر کو کشتیِ نوح علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے۔
جونک	خون چوسنے والا پیراسائٹ جو گندا خون نکالنے کے لیے انسانوں کو لگایا جاتا تھا۔
مسہل	دست آور دوا
صاحبِ فراش	جو بیماری کے سبب بستر سے نہ اُٹھ سکے۔

اقتباس: میرٹھ سے آکر دیکھا کہ یہاں بڑی شدت ہے اور یہ حالت ہے کہ گوروں کی پاسبانی پر قناعت نہیں ہے۔ لاہوری دروازے کا تھانے دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھتا ہے جو باہر سے گورے سے آنکھ بچا کر آتا ہے، اس کو پکڑ کر حوالات میں بھیج دیتا ہے۔ حاکم کے ہاں سے پانچ پانچ بید لگتے ہیں یا دو روپے جرمانہ لیا جاتا ہے۔ آٹھ دن قید رہتا ہے۔ اس کے علاوہ سب تھانوں پر حکم ہے کہ دریافت کرو، کون بے ٹکٹ مقیم ہے اور کون ٹکٹ رکھتا ہے۔ تھانوں میں نقشے مرتب ہونے لگے۔ (بورڈ 2009)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: مکتوباتِ غالبؔ (بنام میر مہدی حسین مجروح)

مصنف کا نام: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

سیاق وسباق:

غالبؔ میر مہدی حسین مجروح کو نواب مصطفیٰ خاں کی رہائی سے آگاہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ابھی تک اُن کی جائیداد اور پنشن کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ میں ان سے ملنے میرٹھ گیا تھا۔ واپسی پر دہلی میں دیکھا کہ لوگوں پر بڑی سختی کی جارہی ہے۔ بلا اجازت شہر میں آنے والوں کو سزا دی جاتی ہے۔ تھانوں میں مقامی آبادی کے نقشے تیار کیے جارہے ہیں۔ یہاں کا جمعدار میرے کوائف بھی لے کر گیا ہے۔ کل سے سنا ہے کہ شہر سے باہر موجود مکانوں کو گرانے کا حکم دے دیا گیا ہے اور شہر میں رہنے کے لیے پانچ ہزار ٹکٹ (اجازت نامے) چھاپے گئے ہیں۔ دیکھو اس شہر کی قسمت میں آئندہ کے لیے کیا لکھا ہے۔ خط کے آخر میں غالبؔ بچوں کو دعا اور میرن صاحب کو سلام اور دعا بھیجتے ہیں۔

تشریح: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اردو ادب کے شہرۂ آفاق شاعر اور نثر نگار تھے۔ ان کے مکاتیب اردو نثر کا سرمایہ ہیں۔ مکتوباتِ غالبؔ میں غالبؔ کے نجی تعلقات اور عصری حالات پر مبنی خطوط پیش کیے گئے ہیں۔

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ 22 جنوری 1859ء کو میرٹھ پہنچے۔ چار دن وہاں قیام کیا، اپنے دوست اور مربی نواب مصطفیٰ خان کی عافیت

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

معلوم کی اور 25 جنوری 1859ء کو واپس دہلی آ گئے لیکن دلّی جو کبھی مغلوں کا پایۂ تخت تھا، اب انگریزوں کے عتاب کا شکار تھا، اور اس پکڑ دھکڑ میں مسلمان ظلم کا زیادہ نشانہ بنے۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان انگریزوں کی حکمرانی کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ غالبؔ کا خیال ہے کہ انگریزوں کی پاسبانی پر بھروسا نہیں کیا جا رہا کیوں کہ انھوں نے شہر میں داخل ہونے والے تمام راستوں کی ناکہ بندی کی ہوئی تھی اور آنے جانے والوں سے سخت باز پُرس کی جاتی تھی پھر بھی کوئی شخص انگریزوں سے چھپ چھپا کر شہر میں داخل ہونے کی کوشش کرتا تو لاہوری دروازے کا تھانے دار اس کو گرفتار کر لیتا۔ حکمِ حاکم تھا کہ اسے پانچ کوڑے مارے جائیں یا دو روپے جرمانہ ادا کرے۔ بعد ازاں تھانیدار اس کو حوالات میں آٹھ دن قید رکھتا۔ یہی نہیں ہر تھانے کو حکم صادر ہوا کہ معلوم کرو کون بغیر ٹکٹ رہائش پذیر ہے اور کس کے پاس ٹکٹ ہے۔ یہ ٹکٹ دراصل اجازت نامہ تھا جو انگریز سرکار کی طرف سے جاری ہوا۔ دہلی کے مجسٹریٹ ایجرٹن صاحب بہادر کی جانب سے جو پانچ ہزار ٹکٹ یا دوسرے لفظوں میں خصوصی اجازت نامے جاری ہوئے ان کی عبارت کچھ یوں تھی: ''(دہلی میں) ہندو، مسلمان عورت مرد، سوار پیادہ جو چاہے چلا جائے مگر بغیر ٹکٹ کے رہنے نہ پائے'' (ٹکٹ آبادی درون شہر دہلی بشرط ادخال جرمانہ)۔ چناں چہ شہر کے تمام تھانوں میں شہر میں بسنے والوں کی کیفیت اور معلومات جمع ہو رہی تھیں تو غالبؔ نے بھی جمعدار کو اپنی کیفیت خود لکھوا دی تا کہ انگریزوں کی گرفت سے بچ سکیں۔ لیکن بہت محتاط لفظوں میں کہ مغلیہ دور حکومت سے کوئی تعلق ثابت نہ ہونے پائے۔ کیوں کہ جس شخص کا تعلق بھی بہادر شاہ ظفر سے ثابت ہو جاتا فوراً گرفتار کر لیا جاتا، مقدمہ چلتا اور سخت سزا سنا دی جاتی۔ چناں چہ غالبؔ کے خطوط اس دور کی تاریخ کے آئینہ دار ہیں ۔

اقتباس: میر بادشاہ میرے پاس آئے تھے۔ تمھاری خیر و عافیت ان سے معلوم ہوئی تھی۔ میر قاسم صاحب مجھ سے نہیں ملے۔ پرسوں سے نواب مصطفیٰ خاں صاحب یہاں آئے ہوئے ہیں۔ ایک ملاقات ان سے ہوئی ہے۔ ابھی یہیں رہیں گے، بیمار ہیں، احسن اللہ خاں معالج ہیں، فصد ہو چکی ہے، جونکیں لگ چکی ہیں، اب مسہل کی فکر ہے، سوا اس کے سب طرح کی خیر و عافیت ہے۔ (بورڈ 2022ء)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: مکتوباتِ غالبؔ (بنام مرزا ہرگوپال تفتہ)

مصنف کا نام: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے بھی آگے دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اردو ادب کے شہرۂ آفاق شاعر اور نثر نگار تھے۔ ان کے مکاتیب اردو نثر کا سرمایہ ہیں۔ مکتوباتِ غالبؔ میں غالبؔ کے نجی تعلقات اور عصری حالات پر مبنی خطوط پیش کیے گیے ہیں۔

مرزا نوشہ اسداللہ غالب اپنے دوست منشی ہرگوپال تفتہ سے مخاطب ہیں۔ غالب نے برسات کا احوال بیان کیا اور شاعری کی اصلاح میں دیر ہونے کی وجہ بتائی کہ کشتی نوح میں رہ کر قصائد اور غزلیات کی اصلاح نہیں ہو سکی۔

غالب اپنے دو واقف کار لوگوں کا حوالہ دے رہے ہیں۔ ایک تو میر بادشاہ جو محکمہ عدل سے منسلک تھے اور غالب کے دوست تھے ان کا حوالہ دے رہے ہیں کہ وہ آئے اور انھوں نے تمھاری خیر و عافیت کی بابت بتایا۔ تفتہ نے میر قاسم علی کا ذکر کیا تھا تو غالب جواب میں کہتے ہیں کہ ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔ جہانگیر آباد کے جاگیردار اور غالب کے شاگرد دوست نواب مصطفیٰ خان شیفتہ بیمار ہیں اور دلی علاج کی غرض سے آئے ہیں۔ غالب ان سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تو پتا چلا بیمار ہیں۔ بہادر شاہ ظفر کے طبیب خاص حکیم احسن اللہ خان سے علاج کروا رہے ہیں۔ چونکہ مرض پیچیدہ ہو چکا تھا اس لیے شاہی طبیب جو کہ علاج معالجے میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ ان کی خدمات

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

حاصل کی گئیں۔حکیم صاحب کی بدولت جسم پر نشتر سے جگہ جگہ ہلکے زخم بنائے گئے۔اس طریق علاج سے جسم کے فاسد مادے باہر نکل آتے تھے۔ بالکل ویسے ہی جیسے حجامہ کیا جاتا ہے تو فاسد مادے جسم سے خارج ہو جاتے ہیں۔فصد تو حکیم احسن اللہ خان نے کروائی لیکن خاطر خواہ افاقہ نہ ہوا۔ پھر جونکیں لگائی گئیں۔جونکیں لگانے کا مقصد بھی یہی ہوتا تھا کہ یہ خون چوسنے والا کیڑا جسم سے گندا مواد چوس لے۔خون صاف ہو جائے اور بیماری میں آرام آئے۔جونکیں جوہڑوں میں پائی جاتی ہیں۔یہ جانوروں کے جسم سے لپٹ جاتی ہیں اور ان کا خون چوستی ہیں۔انسان جب بیمار ہوتا ہے تو جسم قوت مدافعت سے اس بیکٹیریائی یا وائرل بیماری کا مقابلہ کرتا ہے۔جب جونکیں لگائی جاتی تھیں تو تصور یہ تھا کہ جسم فاضل مادوں کو جسم سے نکالنا چاہتا ہے، جونکیں جب خون چوستی ہیں تو جسم اس جگہ فاسد مادوں کو دھکیل دیتا ہے جونکیں ان مادوں کو یا خراب خون کو چوس لیتیں۔غالب کہتے ہیں اس طریقہ علاج سے بھی افاقہ نہیں ہوا۔اب سوچ رہے ہیں کہ مسہل کا عمل کیا جائے، مسہل کا طریقۂ علاج یونانی اپنے ساتھ ہندوستان لائے تھے۔اس طریقے میں ایسا شربت یا ایسی دوا پلائی جاتی جس سے اسہال لگ جاتے۔یوں بار بار اسہال سے پیٹ صاف ہو جاتا اور پیٹ میں جو بیماری ہوتی نکل جاتی۔غالب کہتے ہیں اب مسہل کا عمل ہو گا ممکن ہے اس سے آرام آجائے۔غالب کے دور میں ابھی ضد حیاتی ادویات ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔بیماریوں کے علاج کے جدید طریقے متعارف نہیں ہوئے تھے۔روایتی مروجہ طریقوں سے علاج کیا جاتا تھا۔حکما جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے۔فصد، مسہل اور جونکوں کا سہارا لیتے۔غالب انھی طریقہ ہائے علاج کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ نواب مصطفٰی خان شیفتہ کے علاج میں یہ طریقے آزمائے گئے ہیں۔مسہل آزمانے کی تیاری ہے۔اس کے علاوہ یعنی تین ماہ کی بارشوں کی زحمت اور نواب صاحب کی بیماری کے علاج کے علاوہ یہاں ہر طرح سے خیر و عافیت ہے۔

اقتباس: تم سچ کہتے ہو کہ بہت مسوّدے اصلاح کے واسطے فراہم ہوئے ہیں، مگر یہ نہ سمجھنا کہ تمھارے ہی قصائد پڑے ہیں۔نواب صاحب کی غزلیں بھی اسی طرح دھری ہوئی ہیں۔برسات کا حال تمھیں بھی معلوم ہے اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میرا مکان گھر کا نہیں ہے، کرایے کی حویلی میں رہتا ہوں۔جولائی سے مینہ شروع ہوا۔شہر میں سیکڑوں مکان گرے اور مینہ کی نئی صورت، دن رات میں دو چار بار برسے اور ہر بار اس زور سے کہ ندی نالے بہ نکلیں۔بالا خانے کا جو دالان میرے اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، جینے مرنے کا محل ہے، اگرچہ گرا نہیں لیکن چھت چھلنی ہو گئی۔کہیں لگن، کہیں چلمچی، کہیں اُگالدان رکھ دیا۔قلم دان، کتابیں اٹھا کر توشے خانے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔مالک مرمت کی طرف متوجہ نہیں۔کشتی نوح میں تین مہینے رہنے کا اتفاق ہوا۔اب نجات ہوئی ہے۔نواب صاحب کی غزلیں اور تمھارے قصائد دیکھے جائیں گے۔

(بورڈ2016,19ء)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: مکتوباتِ غالبؔ (بنام مرزا ہر گوپال تفتہ)

مصنف کا نام: مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ

سیاق وسباق:

غالبؔ ہر گوپال تفتہ کے نام خط میں لکھتے ہیں کہ تمھارے قصائد اصلاح کے لیے آئے ہیں۔لیکن میں ابھی تک دیکھ نہیں سکا کیوں کہ یہاں گزشتہ تین ماہ سے مسلسل تیز بارشیں ہو رہی ہیں۔جن کی وجہ سے شہر میں سیکڑوں مکان گرے ہیں۔میرا مکان اگرچہ گرا تو نہیں مگر اُس کی چھت چھلنی ہو گئی ہے۔میں نے قلم دان، کتابیں اُٹھا کر توشے خانے کی کوٹھڑی میں رکھ دیے۔تین مہینے بعد نجات حاصل ہوئی ہے اب تمھا...

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

قصائد دیکھے جائیں گے۔اس کے بعد غالبؔ نے میر بادشاہ اور میر قاسم کی خیریت اور نواب مصطفیٰ خان کے علاج کے متعلق لکھا ہے۔خط کے آخر میں غالبؔ بتاتے ہیں کہ میں بیماری اور کمزوری کی وجہ سے لیٹے لیٹے ہی خط لکھتا اور مسودات دیکھتا ہوں۔

تشریح: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ اردو ادب کے شہرۂ آفاق شاعر اور نثر نگار تھے۔ان کے مکاتیب اردو نثر کا سرمایہ ہیں۔مکتوبات غالبؔ میں غالبؔ کے نجی تعلقات اور عصری حالات پر مبنی خطوط پیش کیے گیے ہیں۔

منشی ہرگوپال تفتہ نے جو قصائد بغرض اصلاح غالب کو ارسال کیے تھے، غالبؔ اصلاح کر کے انھیں واپس نہ بھجوا سکے تفتہ نے یاد دہانی کے لیے مزید خط لکھا تو غالبؔ نے قصائد نہ دیکھنے کی وجہ بیان کی ہے کہ صرف تمھارے ہی قصائد نہیں پڑے ہوئے بلکہ نواب ضیاالدین کی غزلیں بھی پڑی ہیں حالاں کہ نواب ضیاالدین خان نیر، غالبؔ کے بڑے چہیتے شاگرد تھے۔دراصل برسات کا سلسلہ کچھ اس قدر شدید تھا کہ غالبؔ کو سوائے شکستہ مکان اور ساز و سامان کو سمیٹنے کے لکھنے پڑھنے سے تعلق نہ رہا۔غالبؔ کی زندگی کا المیہ ملاحظہ فرمایئے کہ ذاتی مکان نہیں تھا، کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔یہ حویلی حکیم احسن اللہ خان کے بھائی کی ملکیت تھی، اسی میں وہ مقیم تھے، حویلی ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھی لیکن مالک مرمت کی طرف متوجہ نہ تھا۔جولائی کے مہینے سے بارشوں کا سلسلہ شروع ہوا، موسلا دھار مینہ سے کچے مکان گرنے لگے لیکن بارش ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتی۔دن رات میں دو چار مرتبہ اس زور سے مینہ برستا کہ گلیاں بازار ندی نالوں کی صورت اختیار کر لیتیں۔

غالبؔ مکان کی بالائی منزل پر مقیم تھے اور ایک برآمدہ اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے کے لیے مختص کر رکھا تھا۔شکستہ تھا اور ہر لمحے گرنے کا خدشہ رہتا تاہم گرنے سے تو بچ گیا لیکن چھت جگہ جگہ سے ٹپکنے لگی اور غالبؔ گھر کے برتن نیچے رکھنے پر مجبور ہو گئے۔چلمچی جو مہمانوں کے ہاتھ دھلوانے کا برتن ہے یا لگن جو سینی یا پرات نما کھلا برتن ہے جس میں پاؤں رکھ کر دھوئے جاتے تھے یا اگال دان جو پان کی پیک پھینکنے کے لیے گھروں میں استعمال کرتے تھے، وہ سبھی برتن غالبؔ نے جگہ جگہ رکھ دیے۔لکھنے پڑھنے کا سامان کتابیں، قلمدان جنھیں غالب اپنا سرمایۂ حیات سمجھتے تھے انھیں بڑے اہتمام سے سنبھالا اور سٹور میں رکھ دیا۔فی الحال لکھنے پڑھنے کا کام معطل ہے۔

مالک گھر کی مرمت نہیں کراتا اور تمھیں یہ بھی معلوم ہے کہ یہ گھر میرا ملکیتی نہیں۔غالبؔ کے یہاں گھر کی بڑی اہمیت ہے۔لیکن ساری زندگی کرائے کے مکان میں گزارنا پڑی اور مکان بھی ایسا کہ خود لکھتے ہیں ''بارش ایک دن برستی ہے چھت تین دن ٹپکتی رہتی ہے۔'' شاعری میں جب بھی گھر کا ذکر کرتے ہیں گھر کو استعارہ بنا کر درحقیقت ہندوستان کی ویرانی کا نقشہ کھینچ دیتے ہیں۔اسی لیے غالبؔ کو دشت کی ویرانی اور گھر کی ویرانی یکساں نظر آتی ہے۔

بالا خانے کی جس کوٹھڑی میں غالبؔ رہ رہے تھے اس کی چھت کی حالت یہ ہوئی کہ جیسے آٹا چھاننے والی چھلنی۔ان ناگفتہ بہ حالات میں ظاہر ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام انجام نہیں دیا جا سکتا۔یہی عذر غالبؔ مرزا تفتہ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔بارش اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن یہی نعمت بعض اوقات آزمائش بھی بن جاتی ہے۔جب سیکڑوں مکان زمین بوس ہو رہے ہوں تو ایسے میں یہ بارشیں زندگی کے معمولات کو معطل کر دیتی ہیں۔غالبؔ بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار نظر آتے ہیں۔

.....

اقتباس: (بورڈ 2019ء)

نہ تم مجرم نہ میں گنہ گار۔تم مجبور، میں ناچار۔لو اب کہانی سنو، میری سرگزشت میری زبانی سنو۔نواب مصطفیٰ خاں بہ میعاد سات برس کے قید ہو گئے تھے، سو ان کی تقصیر معاف ہوئی اور ان کو رہائی ملی۔صرف رہائی کا حکم آیا ہے۔جہانگیر آباد کی زمینداری اور دِلی کی املاک اور پنسن کے باب میں ہنوز کچھ حکم نہیں ہوا۔ڈاک میں بیٹھ کر میرٹھ گیا۔اُن کو دیکھا۔چار دن وہاں رہا، پھر ڈاک میں اپنے گھر آیا۔

حوالۂ متن:۔ سبق کا عنوان: مکتوباتِ غالبؔ (بنام میر مہدی حسین مجروح)

مصنف کا نام: مرزا اسداللہ خاں غالبؔ

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

سیاق وسباق: اس اقتباس کے لیے بھی پہلے پیراگراف کے لیے دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح:

مرزا نوشہ، اسداللہ خاں غالبؔ شہرۂ آفاق شاعر تھے۔ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کی نثر بھی اردو ادب کا اثاثہ ہے۔ ان کے خطوط، اس عہد کی تاریخ بھی ہیں اور غالبؔ کے نجی حالات کے عکاس بھی۔ شہرۂ آفاق شاعر مرزا اسداللہ خان غالبؔ کے مکاتیب اردو نثر میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ غالبؔ کی نجی زندگی اور اس عہد کے واقعات کی عکاسی کرتے ہیں۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں غالبؔ میر مہدی حسین مجروح کو اپنے گذشتہ دنوں کی روداد سنا رہے ہیں۔ غالبؔ خط کے ذریعے رابطہ دیر سے کرنے کی وجہ بھی بتا رہے ہیں۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ اگر کوئی ایک فرد خط لکھے اور دوسرا جواب نہ دے تو شکوہ جائز ہوتا ہے لیکن اس وقت میر مہدی اور غالبؔ دونوں نے جنگِ آزادی کے بعد کے مخدوش حالات کے پس منظر میں خطوط دیر سے لکھے۔ اس لیے نہ تو میر مہدی قصوروار ہیں اور نہ غالبؔ۔ دونوں مجبور اور لاچار تھے اس لیے رابطے میں دیر ہوئی۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں غالبؔ 1857ء کے ہنگامہ خیز حالات کے اثرات کا ذکر کر رہے ہیں۔ میر مہدی حسین مجروح اور ان کے بڑے بھائی میر افضل علی المعروف میرن صاحب دہلی میں رہتے تھے جب کہ میر مہدی کے چھوٹے بھائی میر سرفراز حسین پانی پت میں قیام پذیر تھے۔ جب دہلی پر افتاد پڑی اور خلقِ خدا ہجرت پر مجبور ہوئی تو میر مہدی، میر سرفراز حسین کے پاس پانی پت چلے گئے۔ غالب اپنے تعلقات کی بنا پر کرنل برن کی زبانی اجازت سے دہلی میں ہی قیام پذیر رہے۔ میر مہدی غالبؔ کے قریبی دوست تھے۔ اس نقل مکانی کے بعد ملاقات ختم ہوگئی تو خطوط رابطے کا ذریعہ تھے۔ ان حالات میں ہر ایک فرد اپنے معاملات میں الجھا تھا اس لیے بعض اوقات خط کے ذریعے بھی رابطہ نہیں ہو پاتا تھا۔ غالبؔ زیرِ نظر نثر پارے میں خط کے ذریعے دیر سے رابطہ ہونے کی وجہ حالات بتا رہے ہیں۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ اس کے قصوروار نہ تو ان کے دوست میر مہدی ہیں اور نہ وہ خود۔ غالبؔ کہتے ہیں کہ ان کے دوست نواب مصطفٰے خاں شیفتہ جو جہانگیر آباد کے جاگیردار تھے۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے جنگِ آزادی کے دوران انگریزوں کی مخالفت کی اور آزادی کی حمایت کی۔ انگریزوں نے اسے غداری جانا۔ ان کی جاگیر ضبط کر لی گئی۔ انگریز عدالت نے انھیں 7 برس قید کا حکم سنایا۔ نواب صاحب کو میرٹھ میں قید کر دیا گیا۔ غالب کی کوششوں سے انگریزوں نے ان کی غلطی معاف کی۔ دراصل انگریزوں کو باور کرایا گیا تھا کہ نواب صاحب سرکارِ انگلشیہ کے وفادار ہیں۔ انھوں نے انگریزی حکومت سے غداری نہیں کی بلکہ نادانستہ طور پر اگر کوئی جہانگیر آباد سے تحریک آزادی میں شامل ہوا ہے تو اس میں نواب صاحب کا قصور نہیں۔ گواہی کے بعد نواب صاحب رہا ہو گئے لیکن جہانگیر آباد کی زمینداری، دِلی کی جائیداد اور پنشن جو ریاست سے ملتی تھی اور بحق سرکار ضبط ہو گئی تھی اس کے بارے میں عدالت نے کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ انگریزی اقتدار کی رٹ پوری طرح بحال ہوئی تو کوئی فیصلہ ہوگا۔ اب سب کچھ تو انگریزوں کے قبضے میں ہے تو نواب صاحب میرٹھ میں ایک دوست کے مکان میں قیام پذیر ہیں۔ نواب مصطفٰے خان شیفتہ غالبؔ کے شاگرد اور دوست تھے۔ غالبؔ تعلق نبھانے میں اپنی مثال آپ تھے۔ ان کے لیے نواب صاحب کی موجودہ صورت حال پریشان خیز تھی۔ چناں چہ غالبؔ ڈاک گاڑی میں بیٹھ کر حال احوال سے باخبری اور تشفی کے لیے 22 جنوری 1859ء کو میرٹھ گئے۔ نواب صاحب سے ملاقات ہوئی۔ چار دن ان کے ہاں قیام پذیر رہے۔ پھر غالبؔ ڈاک گاڑی میں ہی واپس 29 جنوری کو دِلی تشریف لے آئے۔

غالبؔ کے اس خط سے ان کے ذاتی حالات اور دوستوں کے حالات سے اس عہد کی زبوں حالی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر جہانگیر آباد کے نواب کو پس دیوارِ زنداں بھیجا جا سکتا تھا تو عام آدمی پر افتاد کا عالم کیا ہوگا۔ نیز لوگ اپنے پیاروں کی حالت زار پر کس قدر پریشان تھے۔

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کثیر الانتخابی سوالات

س۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

1۔ مرزا غالبؔ کا سنِ ولادت ہے:

(A) 1797ء (B) 1795ء (C) 1793ء (D) 1790ء

2۔ مرزا غالبؔ کا سنِ وفات ہے:

(A) 1860ء (B) 1865ء (C) 1869ء (D) 1862ء

3۔ غالبؔ کا پہلا مکتوب کس کے نام ہے:

(A) میر مہدی حسین مجروح (B) ہرگوپال تفتہ (C) نواب مصطفیٰ خان (D) الطاف حسین حالیؒ

4۔ نواب مصطفیٰ خاں کو کتنے برس قید ہوئی:

(A) چار برس (B) چھ برس (C) سات برس (D) دس برس

5۔ نواب مصطفیٰ خاں رہائی کے بعد ٹھہرے: (بورڈ 2022)

(A) دلی میں (B) لکھنؤ میں (C) میرٹھ میں (D) کلکتہ میں

6۔ غالبؔ نے میرٹھ کا سفر طے کیا:

(A) ریل سے (B) ڈاک سے (C) جہاز سے (D) سائیکل سے

7۔ غالبؔ میرٹھ میں رہے:

(A) دو دن (B) چار دن (C) چھ دن (D) دس دن

8۔ غالبؔ میرٹھ گئے:

(A) اتوار کو (B) پیر کو (C) جمعے کو (D) ہفتے کو

9۔ غالبؔ میرٹھ سے واپس آئے:

(A) ہفتے کو (B) اتوار کو (C) پیر کو (D) منگل کو

10۔ غالبؔ نے میر مہدی حسین مجروح کو مکتوب لکھا:

(A) بروز ہفتہ (B) بروز اتوار (C) بروز منگل (D) بروز بدھ

11۔ غالبؔ کو میرٹھ سے آئے دن تھا:

(A) دوسرا (B) چوتھا (C) آٹھواں (D) نواں

12۔ غالبؔ کہتے ہیں گوروں کی پاسبانی پر نہیں ہے:

(A) اعتبار (B) قناعت (C) اختیار (D) الزام

13۔ غالبؔ کے بقول کس دروازے کا تھانے دار مونڈھا بچھا کر سڑک پر بیٹھا تھا: (بورڈ 2019ء)

(A) لاہوری (B) کشمیری (C) دہلی (D) لوہاری

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

14۔ دہلی میں باہر سے بغیر ٹکٹ آنے والوں کو کتنے بید لگتے ہیں:

(A) دو (B) چار (C) چھے (D) پانچ

15۔ دہلی سے باہر سے آنے والوں کو کتنا جرمانہ ہوتا ہے:

(A) چھ روپے (B) تین روپے (C) چار روپے (D) دو روپے

16۔ دہلی میں باہر سے آنے والا کتنے دن قید رہتا ہے:

(A) دو (B) چار (C) چھے (D) آٹھ

17۔ دہلی کے تھانوں کو حکم ہے کہ دریافت کرو کون مقیم ہے:

(A) بے ٹکٹ (B) امیر (C) غریب (D) جاسوس

18۔ غالبؔ حکیم پٹیالے والے کے بھائی کی رہتے تھے:

(A) گلی میں (B) حویلی میں (C) کوٹھی میں (D) بیٹھک میں

19۔ غالبؔ پنشن دار تھے:

(A) 1850ء (B) 1855ء (C) 1857ء (D) 1865ء

20۔ غالبؔ کی اقامت کا مدار کس کے زبانی حکم پر تھا:

(A) بہادر شاہ ظفر (B) ذوق (C) کرنل برون (D) کرنل ہالرائیڈ

21۔ افواہ کے مطابق شہر میں اقامت کے لیے ٹکٹ چھاپے گئے:

(A) دس ہزار (B) آٹھ ہزار (C) چھے ہزار (D) پانچ ہزار

22۔ غالبؔ نے میر مہدی حسین مجروح کے خط میں کس کس کو سلام اور دعا بھیجی:

(A) میر سرفراز حسین (B) میر نصیر الدین (C) میرن صاحب (D) ہرگوپال تفتہ

23۔ غالبؔ کا دوسرا مکتوب کس کے نام ہے:

(A) مرزا ہرگوپال تفتہ (B) میر مہدی حسین مجروح (C) بہادر شاہ ظفر (D) ابراہیم ذوق

24۔ کس مہینے سے بارش تھی:

(A) اپریل (B) مئی (C) جون (D) جولائی

25۔ بارشوں کی وجہ سے شہر میں مکانات گرے تھے:

(A) دس (B) بیس (C) پچاس (D) سیکڑوں

26۔ غالبؔ کے پاس ہرگوپال تفتہ نے اصلاح کے لیے بھیجا تھا:

(A) غزلیں (B) نظمیں (C) قصائد (D) مرثیے

27۔ غالبؔ برسات کے دنوں میں رہتے تھے:

(A) بالا خانے کے دالان میں (B) چھت پر (C) فرش پر (D) کمرے پر

28۔ غالبؔ نے ٹپکتی ہوئی چھت کے نیچے رکھا تھا:

(A) اگالدان (B) لگن (C) چلمچی (D) یہ سب

www.pakcity.org www.pakcity.org

29۔ غالبؔ نے قلم دان اور کتابیں اُٹھا کر رکھ دی تھیں:

(A) دھوپ میں (B) چھت پر (C) توشے خانے کی کوٹھری میں (D) صحن میں

30۔ غالبؔ کو کشتیِ نوح علیہ السلام میں رہنے کا اتفاق ہوا:

(A) دو ماہ (B) تین ماہ (C) چار ماہ (D) چھ ماہ

31۔ پرسوں سے غالب کے پاس آئے ہوئے تھے:

(A) نواب مصطفیٰ خاں (B) میر مہدی (C) ہرگوپال تفتہ (D) ابراہیم ذوق

32۔ نواب مصطفیٰ خاں کے معالج تھے:

(A) احسن اللہ خاں (B) ابنِ انشا (C) ابراہیم ذوق (D) حکیم پٹیالا والے

33۔ غالبؔ مسودات دیکھتے تھے: (بورڈ 2022)

(A) لیٹے لیٹے (B) چلتے چلتے (C) بیٹھے بیٹھے (D) کھڑے کھڑے

34۔ غالبؔ کو مرزا ہرگوپال کی خیر و عافیت معلوم ہوئی تھی:

(A) میر بادشاہ سے (B) میر قاسم علی سے (C) احسن اللہ خاں سے (D) نواب مصطفیٰ خاں سے

35۔ غالبؔ سے نہیں ملا تھا:

(A) ابراہیم ذوق (B) میر قاسم علی (C) بہادر شاہ ظفر (D) میر مہدی

36۔ حاکمِ وقت نے حکم دیا:

(A) شہر کے مکان ڈھانے کا (B) مکان بنانے کا

(C) شہر کے باہر مکان ڈھانے کا (D) شہر کے باہر مکان ڈھانے اور آئندہ کی ممانعت کا

37۔ ہرگوپال تفتہ کے نام خط میں غالب نے کس تلمیح کا استعمال کیا:

(A) طوفانِ نوح علیہ السلام (B) صاحبِ فراش (C) کشتیِ نوح علیہ السلام (D) مینہ کی نئی صورت

جوابات

C	-5	C	-4	A	-3	C	-2	A	-1
D	-10	D	-9	D	-8	B	-7	B	-6
D	-15	D	-14	A	-13	B	-12	D	-11
C	-20	A	-19	B	-18	A	-17	D	-16
D	-25	D	-24	A	-23	C	-22	D	-21
B	-30	C	-29	D	-28	A	-27	C	-26
B	-35	A	-34	A	-33	A	-32	A	-31
						C	37	D	-36

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

(علامہ اقبال مدظلہ)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
افاقہ	آرام
رفتنی	جانے والا
مصر ہونا	اصرار کرنا، ضد کرنا، بار بار تقاضا کرنا
آلام	دکھ، تکلیفیں
مطبوعہ	چھپا ہوا
علالت	بیماری
والا نامہ	گرامی نامہ، خط
لٹریچر	ادب
مولانا گرامی	مولانا غلام قادر گرامی، فارسی کے عالم اور شاعر تھے۔ جالندھر کے رہنے والے تھے، اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔
علیل	اقبال رحمۃ اللہ علیہ فروری 1922ء کو پاؤں کے گنٹھیا کا شکار ہوئے اور اپریل 1922ء کو نجات ملی۔ چلنے، سیڑھیاں چڑھنے اور کھڑے رہنے میں تکلیف ہوتی تھی۔
حکیم اجمل خان	اجملی دواخانہ کے بانی، مشہور طبیب تھے۔ سیاسی اور طبی کتب کے مصنف تھے۔
دونوں مثنویاں	مثنوی اسرارِ خودی (1915ء) اور مثنوی رموزِ بے خودی (1918ء)
شکوہ	اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم۔ بانگِ درا میں شامل ہے۔ انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں 1907ء میں پڑھ کر سنائی گئی۔
اکبر الٰہ آبادی	مشہور غزل گو شاعر۔ سید اکبر حسین اصل نام۔
ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری	علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دونوں مثنویوں پر تبصرہ تحریر کیا تھا۔ Iqbal رحمۃ اللہ علیہ: His Presian Masnavies کے عنوان سے شملہ سے شائع ہونے والے رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ میں تبصرہ شائع ہوا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط میں اس کا ماہِ اشاعت اگست لکھا ہے حالاں کہ یہ جولائی کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اقتباس: ''میں ابھی تک علیل ہوں، گو پہلے کی نسبت بہت افاقہ ہے۔ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ کامل صحت عطا فرمائے۔ حکیم اجمل خاں صاحب نے دہلی سے دوا بھیجی تھی مگر اس سے بھی بہت کم فائدہ ہوا۔ کل گورداس پور سے ایک حکیم صاحب خود بخود تشریف لے آئے تھے۔ انھیں کسی سے میری علالت کا حال معلوم ہوا تھا۔ دوا دے گئے ہیں جس سے فائدہ معلوم ہوتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا کیوں کہ جن اجزا سے یہ مرکب ہے ان میں سے ایک اخلاص بھی ہے جو ان حکیم صاحب کو خود بخود میرے مکان تک لے آیا۔ بہر حال خدا تعالیٰ کے فضل کا منتظر ہوں۔''

حوالہ متن:۔

سبق کا عنوان: مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (مولانا گرامی کے نام)

مصنف کا نام: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق:

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مولانا گرامی کو اپنی بیماری، حکیم اجمل کی دوا کے کم فائدہ ہونے اور گورداس پور کے مخلص حکیم کی دوا کے مفید ہونے کا بتاتے ہیں۔ وہ اُنھیں میاں ریاض اور انجمن حمایتِ اسلام کی طرف سے لاہور آنے کی دعوت قبول کرنے کا مشورہ دیتے ہیں کہ آپ لاہور آیئے اور لوگوں کو اپنا تازہ کلام سُنایئے۔ وہ بتاتے ہیں کہ درد کی شدت سے میں یہ سمجھتا تھا کہ دنیا سے چلا جاؤں گا مگر یہ تسلی تھی کہ پاؤں کا درد ہے چلنا تو ممکن ہی نہیں۔ آخر میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ ایک عرب کے خط کا تذکرہ کرتے ہیں جو ''اسرارِ خودی'' کا عربی ترجمہ کرانا چاہتا ہے۔

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت تھے۔ ان کی شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کے سبب ان کی زندگی کا ہر گوشہ قابلِ توجہ ہے۔ مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں ان کی ذاتی زندگی اور تعلقات کا تذکرہ ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ اپنی علالت اور علاج کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ انسانی زندگی کبھی ایک ڈگر پر نہیں چلتی۔ اس میں نشیب و فراز آتے رہتے ہیں۔ کبھی خوشی کبھی غم، کبھی آسانیاں تو کبھی مشکلات، کبھی تندرستی تو کبھی بیماری۔ انسان مشکلات سے، غم سے، بیماری سے ہمیشہ گھبراتا ہے۔ ان سے چھٹکارا چاہتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فروری 1922ء میں گنٹھیا میں مبتلا ہوئے، شدید تکلیف میں رہنے کے بعد تقریباً اپریل 1922ء میں صحت یاب ہوئے لیکن بیماری کے اثرات ابھی باقی تھے۔

علامہ رحمۃ اللہ علیہ ان دنوں انارکلی لاہور میں شیخ عنایت اللہ جنرل مرچنٹ کی دکان کے سامنے کرائے کے مکان میں قیام پذیر تھے، رہائش چوں کہ بالائی منزل پر تھی لہٰذا سیڑھیاں چڑھتے، اترتے سخت مشکل ہوتی۔ اس تکلیف کی وجہ سے بخار بھی آنے لگا اور ناتوانی بڑھنے لگی تو زندگی سے مایوس ہونے لگے۔ اس دور کے مشہور حکیم اجمل خان نے دہلی سے دوا بھیجی تھی مگر اس سے بہت کم فائدہ ہوا۔ حالاں کہ حکیم اجمل خان بڑے حاذق طبیب تھے۔ کل ہند طبی کانفرنس کے بانی اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔ انگریزی حکومت نے حاذق الملک اور لوگوں نے مسیح الملک کا خطاب دیا تھا۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ان کی بھیجی ہوئی دوا سے صحت یاب نہ ہو سکے لیکن مشرقی پنجاب کے مشہور شہر گورداس پور سے ایک حکیم صاحب نے کہیں سے علامہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیماری کا سنا تو خلوص و محبت کے ساتھ لاہور آئے اور علامہ رحمۃ اللہ علیہ کو دوا دی۔ اس سے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ گیر مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ خاص و عام علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ سے کتنی عقیدت و الفت رکھتے تھے۔ چناں چہ جس خلوص اور چاہت سے گورداس پور کے حکیم صاحب تشریف لائے اور دوا دی، اس سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو نہ صرف روحانی خوشی ہوئی بلکہ جسمانی تسکین بھی ملی اور بڑے یقین سے لکھتے ہیں، اس دوا سے فائدہ ہو جائے گا کیوں کہ جن عناصر سے یہ دوا مرکب ہے ان میں ایک حکیم صاحب کا اخلاص بھی ہے۔ چناں چہ ایسی دوا جس میں خلوص کا مادہ بھی شامل ہو اس کا اثر یقینی ہے۔ کسی بھی کام کے نتیجے کا انحصار خلوصِ نیت پر ہوتا ہے۔ یوں اشیا کے طبیعی خواص میں مابعد الطبیعاتی (روحانی) عناصر بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو یہی باطنی خلوص گورداس پور سے آنے والے حکیم کی دوا میں محسوس ہوا۔ چناں چہ وہ باری تعالیٰ کی مہربانی کے منتظر دکھائی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دیتے ہیں لیکن افسوس دورِ حاضر کے حکیم اور ڈاکٹر اس خلوص کی دولت سے خالی ہیں، بہر حال علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اسی خلوص کی بنا پر صحت یاب ہوئے حالاں کہ درد اتنی شدت اختیار کر چکا تھا کہ وہ زندگی سے مایوس ہو چکے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے منتظر رہے اور نہ صرف زندگی ملی بلکہ صحت یاب بھی ہوئے۔

.....

بنام اکبر الٰہ آبادی

اقتباس: رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ (انگریزی) کے اگست کے نمبر میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے ایک ریویو دونوں مثنویوں پر لکھا ہے۔ نہایت قابلیت سے لکھا ہے۔ اگر اس ریویو کی کوئی کاپی مل گئی تو ارسال خدمت کروں گا۔ آج ''زمانہ'' میں ایک ریویو نظر سے گزرا۔ ''زمانہ'' کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے جن کو کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا۔''

حوالہ، متن:

سبق کا عنوان: مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (بنام اکبر الٰہ آبادی)

مصنف کا نام: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

سیاق وسباق:

خط کا آغاز علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اکبر الٰہ آبادی کی درازیٔ عمر کی دعا سے کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ پچھلے دنوں دانت میں شدید درد تھا۔ انگریزی رسالہ ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' میں ڈاکٹر عبدالرحمٰن نے دونوں مثنویوں پر بڑی محنت سے تبصرہ لکھا ہے۔ رسالہ ''زمانہ'' میں بھی ایک تبصرہ شائع ہوا ہے جس میں آپ کے اشعار بھی پڑھنے کو ملے۔ ایک مخلص نوجوان تاجر کتب مجھ سے کہتا ہے کہ شکوہ اور جوابِ شکوہ پھر شائع کرنا چاہیے مگر مولانا اکبر دیباچہ لکھیں۔ مجھے آپ کے ضعف اور بیماری کا احساس ہے لیکن جب کبھی طبیعت بحال ہو تو چند سطریں اس کے لیے تحریر کر دیجیے گا۔ خط کے آخر میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ کلکتہ کے فسادات کا تذکرہ کرتے ہیں۔

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت تھے۔ ان کی شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کے سبب ان کی زندگی کا ہر گوشہ قابلِ توجہ ہے۔ مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں ان کی ذاتی زندگی اور تعلقات کا تذکرہ ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی دونوں مثنویوں پر تبصرے اور اکبر الٰہ آبادی کی شاعری کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری میں تصورِ خودی اور تصورِ بے خودی کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے تصورِ خودی کا انحصار خود شناسی پر ہے۔ ان کی مثنوی ''اسرارِ خودی'' میں خودی کی تکمیل کے تین مرحلے بیان کیے گئے ہیں۔

(i) اطاعت (ii) ضبطِ نفس (iii) نیابت الٰہی

اطاعت سے مراد یہ کہ انسان اپنے اعمال کو احکام خداوندی اور سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق ڈھال لے۔ ضبطِ نفس یہ کہ انسان اپنی خواہشات پر قابو پانا سیکھ لے۔ کوئی ایسی آرزو یا خواہش نہ کرے جو اس کے مالک کی مرضی کے برعکس ہو۔ گویا اپنے ارادے کو اپنے مالک کے ارادے کا پابند بنائے پھر خدا کا جانشین ہونے کے ناتے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرے تو ساری کائنات اس کے تصرف میں آجاتی ہے۔

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

''رموزِ بےخودی'' میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اجتماعیت کا نظریہ پیش کیا کہ انفرادی خودی اجتماعی خودی میں ضم ہو جائے۔

فردِ قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری نے ''ایسٹ اینڈ ویسٹ'' کے جولائی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بےخودی'' پر تبصرہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بجنوری کے تبصرے کا ذکر کرتے ہوئے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے ''زمانہ'' میں شائع ہونے والے تبصرے کا ذکر بھی کیا اور اکبر الٰہ آبادی کے اشعار کے بارے میں اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا کہ انھیں کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا۔ اکبر الٰہ آبادی کے ان اشعار میں مسلمانوں کے طرزِ عمل پر تبصرہ کیا گیا تھا۔ دو شعر ملاحظہ فرمائیے:

اک علم تو ہے بت بننے کا، اک علم ہے حق پر مٹنے کا
اس علم کی سب دیتے ہیں سند اس علم میں ماہر کون کرے
غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں حبِ دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ خود بھی محسوس کرتے تھے کہ جو تعلیم نئی نسل حاصل کر رہی ہے یہ ان کے مسائل کو حل کرنے میں معاون ثابت نہیں ہو سکتی۔ وہ مکتب کی کرامت کی بجائے فیضانِ نظر کے قائل تھے۔ پھر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ محض رسوم ادا کرنے سے مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ جب تک عمل کی روح کو نہ سمجھا جائے۔

جو میں سر بسجدہ ہوا کبھی تو زمیں سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

اکبر الٰہ آبادی بھی اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ بار بار ان اشعار کی طرف رجوع کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

.....

اقتباس: آج ''زمانہ'' میں ایک ریویو نظر سے گزرا۔ ''زمانہ'' کے اسی نمبر میں آپ کے اشعار بھی دیکھے جن کو کئی دفعہ پڑھا ہے اور ابھی کئی بار پڑھوں گا۔ بالخصوص ایک نہایت مخلص نوجوان یہاں لاہور میں ہے، تاجرِ کُتب ہے اور مجھ سے کہتا ہے کہ ''شکوہ'' اور ''جواب شکوہ'' کو پھر شائع کرنا چاہیے مگر مولانا اکبر دیباچہ لکھیں۔ میں نے آپ کی طرف ہر چند عذر کیا مگر وہ مُصر ہے۔ آخر میں نے اس سے وعدہ کیا کہ مولانا کی خدمت میں عرض کروں گا۔ ایسی فرمایش کرتے ہوئے حجاب آتا ہے کہ مجھے آپ کے ضعف و ناتوانی کا حال معلوم ہے۔ تاہم اگر کسی روز طبیعت شگفتہ ہو اور آلام و افکار کا احساس، شگفتگیِ طبع سے کم ہو گیا ہو تو دس پندرہ سطور اس کی خاطر لکھ ڈالیے۔ یہ لڑکا آپ کا غائبانہ مرید ہے۔''

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ (بنام اکبر الٰہ آبادی)

مصنف کا نام: علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے بھی پیچھے دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

تشریح: عظیم فلسفی شاعر علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت تھے۔ ان کی شاعری نے برصغیر کے مسلمانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی شاعرانہ عظمت کے سبب ان کی زندگی کا ہر گوشہ قابلِ توجہ ہے۔ مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ میں ان کی ذاتی زندگی اور تعلقات کا تذکرہ ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے دونوں مثنویوں پر تبصرے، اکبر الٰہ آبادی کی شاعری اور اُن سے دیباچہ لکھوانے کا تذکرہ کیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی فارسی مثنویوں ''اسرارِ خودی'' اور ''رموزِ بے خودی'' پر مختلف نقادوں اور دانش وروں نے تبصرے کیے۔ 1915ء میں شائع ہونے والا اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا فارسی مجموعہ ''اسرارِ خودی'' تھا جس کے ذریعے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ''فلسفہ خودی'' اُجاگر ہوا۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا جس سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام مشرق سے مغرب پہنچا۔ ''رموزِ بے خودی'' اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری مثنوی 1918ء میں شائع ہوئی۔ اس کے ذریعے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ''اجتماعیت'' کا نظریہ سامنے آیا۔ یہ دونوں مثنویاں قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی عظمتوں کی آئینہ دار ہیں۔ چناں چہ کان پور سے شائع ہونے والے رسالہ ''زمانہ'' میں بھی اس پر تبصرہ چھپا۔ اس رسالے میں ہندوستان کے سیاسی اور اقتصادی حالات کے متعلق مفکرین اور سیاسی رہنماؤں کی نگارشات چھپتیں۔ چناں چہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں پر رائے بھی اسی رسالے میں چھپی۔ ''زمانہ'' کے اسی شمارے میں اکبر الٰہ آبادی کے اشعار بھی چھپے تھے جنھیں اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھا اور تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابھی کئی مرتبہ پڑھوں گا۔ خراجِ تحسین پیش کرنے کا یہ بھی انداز ہے کہ ممدوح کے اشعار بار بار پڑھے جائیں۔

شکوہ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور نظم ہے جس میں انھوں نے مسلمانوں کی طرف سے اللہ سے یہ شکوہ کیا ہے کہ اے خدا! تیرے نام لیوا تو ہم ہیں لیکن تیری رحمتیں اور مہربانیاں غیروں پر ہیں۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ نظم لکھی تو اُن پر کفر و شرک کے فتوے بھی لگے لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے جوابِ شکوہ کے ذریعے اللہ کی طرف سے مسلمانوں کو یہ جواب دیا کہ اُن کے زوال کا سبب دین اور اسلاف کی خوبیوں سے دوری ہے۔ ''شکوہ'' اور ''جوابِ شکوہ'' کی مکرر اشاعت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہاں لاہور میں ایک نوجوان میاں ریاض اس کو چھاپنا چاہتے ہیں، میاں ریاض الدین، میاں سراج الدین کے فرزند تھے جو کشمیری بازار میں کتابوں کے تاجر تھے اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے مداح تھے۔ لہٰذا وہ ان نظموں کو از سرِ نو شائع کرنا چاہتے تھے مگر ان کی خواہش تھی کہ دیباچہ مولانا اکبر الٰہ آبادی لکھیں۔ کسی کتاب کی قدر و قیمت اور اہمیت دیباچہ لکھنے والی شخصیت کی بنا پر بھی ہوتی ہے لہٰذا میاں ریاض صاحب کی دلی تمنا تھی کہ دیباچہ مولانا ہی لکھیں۔ دراصل اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی خواہش بھی یہی تھی لیکن مولانا اکبر کے ضعف و ناتوانی کے باعث وہ براہِ راست انھیں فرمائش نہیں کر رہے تھے لیکن علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا ''حُسنِ طلب'' ملاحظہ کیجیے کہ بڑے خوبصورت انداز میں اظہار کر رہے ہیں کہ کسی روز طبیعت شگفتہ ہو اور غم و آلام سے نجات ملے تو دس پندرہ سطریں لکھ دیں، یہ لڑکا یعنی میاں ریاض الدین آپ کا غائبانہ مرید ہے۔ اگرچہ بالمشافہ آپ سے نہیں ملا لیکن آپ کی فہم و فراست اور مقام و مرتبے کا قائل ہے۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

س۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

1۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پیدا ہوئے:

(A) 1876ء (B) 1877ء (C) 1887ء (D) 1888ء

2۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عرب نے کس شہر سے خط لکھا تھا:

(A) بمبئی (B) دلی (C) کلکتہ (D) لاہور

www.pakcity.org www.pakcity.org

3۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی سے دوا بھیجی تھی:

(A) حکیم اجمل خان نے (B) حکیم تحسین نے (C) حکیم سلیمان نے (D) حکیم سیف اللہ نے

4۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے گھر کس شہر سے حکیم صاحب تشریف لائے تھے:

(A) گورداس پور (B) دلی (C) کلکتہ (D) بنارس

5۔ گورداس پور سے آنے والے حکیم صاحب کی دوا میں شامل تھا:

(A) اخلاص (B) اخلاق (C) ایثار (D) اعتماد

6۔ مولانا گرامی کو لاہور میں دعوت پر بلایا تھا:

(A) انجمن حمایتِ اسلام نے (B) میاں ریاض الدین نے

(C) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے (D) انجمن حمایت اسلام اور میاں ریاض الدین نے

7۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گرامی کو دعوتوں کے بارے میں کہا:

(A) قبول فرمایے (B) انکار فرمایے (C) سوچیے (D) ملتوی کر دیجیے

(بورڈ 2022)

8۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے درد تھا:

(A) سر میں (B) پاؤں میں (C) بازو میں (D) کندھے میں

9۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ پاؤں کے درد کی وجہ سے اپنے آپ کو سمجھتے تھے:

(A) آمدنی (B) رفتنی (C) علیل (D) اُداس

10۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر الہ آبادی کو دعا دی:

(A) لمبی عمر کی (B) دولت کی (C) عزت کی (D) شہرت کی

11۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے دانت میں درد کیوں تھا:

(A) تُرشی کے زیادہ استعمال سے (B) میٹھے کے زیادہ استعمال سے

(C) دودھ کے زیادہ استعمال سے (D) چائے کے زیادہ استعمال سے

12۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر الہ آبادی سے کون سی نظموں کا دیباچے لکھنے کی درخواست کی تھی:

(A) شکوہ، جوابِ شکوہ (B) مسجد قرطبہ، ساقی نامہ

(C) طلوع اسلام، صدیق (D) پہاڑ اور گلہری، روحِ ارضی آدم کا ستقبال کرتی ہے

13۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں پر کس رسالے میں رائے چھپی ہے:

(A) ایسٹ اینڈ ویسٹ (B) داستان (C) نئی دنیا (D) اُردو ڈائجسٹ

14۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکبر الہ آبادی کے اشعار کون سے رسالے میں پڑھے:

(A) زمانہ (B) داستان (C) ایسٹ اینڈ ویسٹ (D) اُردو ڈائجسٹ

15۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ جلسے میں شرکت کے لیے کس شہر جانا چاہتے تھے:

(A) بنارس (B) کلکتہ (C) دلی (D) لاہور

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

16۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا دوسرا مکتوب کس کے نام ہے:
(A) اکبرالہ آبادی (B) داغ (C) حالی رحمۃ اللہ علیہ (D) قائداعظم رحمۃ اللہ علیہ

17۔ سبق ''مکتوباتِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ'' کا ماخذ ہے:
(A) مکاتیبِ اقبال رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ مظفر حسین برنی (B) اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط
(C) خطوط اقبال رحمۃ اللہ علیہ (D) بیگمات کے آنسو

18۔ ایک عرب اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی کو کس زبان میں ترجمہ کرانا چاہتا تھا:
(A) عربی (B) ہندی (C) انگریزی (D) اُردو

19۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی مثنویوں پر ریویو کس نے لکھا تھا:
(A) ڈاکٹر عبدالرحمٰن (B) ڈاکٹر سعید (C) ڈاکٹر وزیر آغا (D) ڈاکٹر فرمان

20۔ رسالہ ایسٹ اینڈ ویسٹ کے کس ماہ کے نمبر میں ریویو لکھا گیا:
(A) اپریل (B) مئی (C) جون (D) اگست

21۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اکبرالہ آبادی کے اشعار کو پڑھا:
(A) دو مرتبہ (B) دس مرتبہ (C) تین مرتبہ (D) کئی مرتبہ

22۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نظم شکوہ اور جوابِ شکوہ کو دوبارہ شائع کرنے والے نوجوان کا تعلق تھا:
(A) لاہور سے (B) پشاور سے (C) دلی سے (D) بنارس سے

23۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کو کلکتہ جانے سے روکا تھا:
(A) بھائی نے (B) والد نے (C) چچا نے (D) ماموں نے

24۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے تازہ کلام سننے کی فرمائش کی:
(A) داغ سے (B) مولانا گرامی سے (C) ذوق سے (D) مومن سے

25۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا گرامی کو مکتوب لکھا:
(A) 2 اپریل 1922ء (B) 12 اپریل 1923ء (C) 12 اپریل 1930ء (D) 12 اپریل 1916ء

26۔ اکبرالہ آبادی کو علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے مکتوب لکھا:
(A) 14 ستمبر 1918ء کو (B) 14 ستمبر 1920ء کو (C) 14 ستمبر 1922ء کو (D) 14 ستمبر 1930ء کو

27۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خط میں کس شہر میں فسادات ہونے کا ذکر کیا ہے: (بورڈ 2017ء)
(A) دلی (B) لکھنؤ (C) کلکتہ (D) میرٹھ

28۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے خط میں مولانا گرامی کے لیے کیا القاب استعمال کیے:
(A) جناب مولانا گرامی (B) حضرت مولانا گرامی (C) ڈیر مولانا گرامی (D) حضور مولانا گرامی

29۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا پہلا مکتوب کس کے نام ہے: (بورڈ 2018ء)
(A) ذوق (B) اکبر (C) غالب (D) مولانا گرامی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

30۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ فوت ہوئے:

(A) 1930ء (B) 1937ء (C) 1938ء (D) 1948ء

جوابات

A	-5	A	-4	A	-3	A	-2	B	-1
A	-10	B	-9	B	-8	A	-7	D	-6
B	-15	A	-14	A	-13	A	-12	A	-11
D	-20	A	-19	A	-18	A	-17	A	-16
A	-25	B	-24	B	-23	A	-22	D	-21
C	-30	D	-29	A	-28	C	-27	A	-26

www.pakcity.org
EDUCATION
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

11

لاہور کا جغرافیہ

(پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
تمہید	آغاز، ابتدا، مقدمہ
دلائل	دلیل کی جمع
فاتر	کمزور، ضعیف، سست
رفع کرنا	دور کرنا
اوّل الذکر	جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے
مؤخر الذکر	جس کا ذکر بعد میں ہوا ہے
اہلِ سیف	تلوار والے یعنی جنگ کرنے والے
یدِ طولیٰ رکھنا	پوری مہارت رکھنا
حدود اربعہ	چاروں اطراف، چاروں طرفوں کے علاقوں کی تفصیل
عارضہ	بیماری
بحث وتمحیص	بحث مباحثہ
مفادِ عامہ	عام لوگوں کی بہتری، عوام کا فائدہ
بہم رسانی آب	پانی پہنچانا، پانی مہیا کرنا
تحقیق وتدقیق	کھوج اور غور وفکر
رائے دہندگی	رائے دینا
کماحقہٗ	جیسا کہ حق ہے، جیسا کہ ہونا چاہیے
دبازت	موٹائی، ضخامت
مژدہ	خوش خبری

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

عقبی دیوار	پچھلی دیوار
مطمحِ نظر	اصل مقصد
دساور	غیر ممالک، غیر ملک کی منڈی
مصاحب	ساتھی
جود وسخا	سخاوت، فیاضی
فروکش ہونا	قیام کرنا، رہائش پذیر ہونا، ٹھہرنا
خرفشے	بکھیڑے، جھگڑے، پریشانیاں
نظام سقّہ	1539ء میں نصیر الدین ہمایوں اور شیر شاہ سوری کی چونسہ کی لڑائی کے دوران ہمایوں گنگا عبور کرتے ہوئے ڈوبنے لگا تو نظام سقّے نے چمڑے کی مشک کی مدد سے اسے بچایا اور دریا عبور کروایا۔ اس احسان کے عوض ہمایوں نے اسے ایک دن کی بادشاہت عطا کی۔ نظام سقّے نے اس دن چمڑے کے سکے جارے کیے۔
اہلِ سیف	محمود غزنوی، محمد غوری، بابر مراد ہیں۔ جنھوں نے وسط ایشیا سے آ کر ہندوستان پر حملے کیے۔
میونسپلٹی	بلدیہ
عرض بلد	وہ خطوط جو خط استوا کے متوازی کھینچے جاتے ہیں۔ کسی مقام کا فاصلہ جو نصف النہار کے خطوط سے معلوم کیا جائے۔
آواگون	دنیا میں بار بار آنا، ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ انسان سات جنم کے لیے دنیا میں بار بار آتا ہے۔
شیر شاہ سوری	(1540ء تا 1545ء) اصل نام فرید خان تھا۔ ہندوستان کا عظیم حکمران۔ اس نے ڈاک کا نظام جاری کیا۔ جی ٹی روڈ سڑکیں بنوائیں۔ زمینوں کی پیمائش کروائی۔
اہلِ زبان	سبق کے مطابق مراد ہیں دبستان دہلی کے شعرا و ادبا۔
جلال الدین اکبر	ہمایوں کا بیٹا جو 1556ء تا 1605ء ہندوستان کا مشہور حکمران رہا۔ مغل اعظم کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔
ہائیڈروجن اور آکسیجن	پانی (H_2O) ہائیڈروجن اور آکسیجن کا مرکب ہے۔ ابھی تک نلوں میں صرف گیس ہے۔ امید ہے ایک دن پانی بن جائے گا۔ مطلب ابھی نل خالی ہیں اور پانی نہیں ہے۔
مشہور پیداوار طلبہ	لاہور کالجوں کا شہر کہلاتا ہے۔ پورے پنجاب بلکہ پورے ملک سے لوگ یہاں پڑھنے آتے ہیں پطرس کے دور میں یہ نمایاں تعلیمی مرکز تھا۔ یہاں طلبہ کثیر تعداد میں تھے۔ اس لیے طلبہ کو یہاں کی پیداوار کہا گیا ہے۔

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

خلاصہ: (بورڈ 2009,10,11)

پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس ممتاز مزاح نگار تھے۔ پطرس کے مضامین اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سبق ''لاہور کا جغرافیہ'' میں انھوں نے لاہور شہر کے حوالے سے مزاح نگاری کی ہے۔

تمہید کے طور پر صرف اتنا عرض کرنا چاہتا ہوں کہ لاہور کو دریافت ہوئے کافی عرصہ ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کے وجود کو دلائل سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بزرگوں نے لاہور کے محل وقوع کے بارے میں جو کہا ہے کہ ''لاہور، لاہور ہی ہے'' اگر اس پتے پر آپ لاہور کو تلاش نہیں کر سکتے تو آپ کی تعلیم ناقص اور ذہانت فاتر ہے۔ ایک دو غلط فہمیاں دور کرنا ضروری سمجھتا ہوں اور وہ یہ کہ لاہور پنجاب میں واقع ہے جواب ''پنج آب'' نہیں رہا کیوں کہ اس میں اب صرف ساڑھے چار دریا بہتے ہیں۔ کیوں کہ ''راوی'' نے بہنے کا شغل بند کر دیا ہے اور وہ اب پلوں کے نیچے لیٹا رہتا ہے۔ لاہور تک پہنچنے کے دو راستے بہت مشہور ہیں۔ ایک پشاور سے آتا ہے، دوسرا دلی سے۔ وسطی ایشیا کے حملہ آور ایشیا کے راستے وارد ہوتے ہیں اور اہلِ سیف کہلاتے ہیں جب کہ یو پی کے حملہ آور دلی کے راستے آتے ہیں اور اہلِ زبان کہلاتے ہیں۔

لاہور کے شہریوں نے بھی اور شہروں کی طرح آب و ہوا کی فراہمی کا مطالبہ کیا ہے لیکن کمیٹی کے پاس چوں کہ ہوا کی قلت ہے اس لیے عام ضروریات کے لیے ہوا کی بجائے گرد اور خاص خاص حالات میں دھواں استعمال کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ فراہمی آب کا فی الحال یہ بندوبست کیا گیا ہے کہ بارش کے پانی کو حتی الوسع شہر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ کمیٹی کو اس میں خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ اب ہر محلے کا اپنا ایک دریا ہوگا۔ نظام سقے کے مسودات کی روشنی میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ پانی پہنچانے کے لیے نل ضروری ہیں۔ لہٰذا کروڑوں روپے کی لاگت سے گھروں میں نل لگوا دیے گئے ہیں۔ جن میں فی الحال ہائیڈروجن اور آکسیجن گیس بھری ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ کسی نہ کسی روز یہ گیسیں مل کر ضرور پانی بنائیں گی۔ لہٰذا شہری اپنے اپنے گھڑے نلوں کے نیچے مستقلاً رکھ دیں تا کہ کوئی پانی سے محروم نہ رہ جائے۔ لاہور کے لوگ اس انتظام پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ شیر شاہ سوری کی بنائی ہوئی سڑک جوں کی توں اب تک موجود ہے اور اس کے تاریخی گڑھے اور خندقیں عظمتِ رفتہ کی یاد دلاتی ہیں۔ یہاں اب بھی کئی لوگوں کے تختے الٹتے ہیں، لوگ ان تختوں کے نیچے دو پہیے اور سامنے دو ہک لگا کر اس میں ایک بنا سپتی گھوڑا ٹانگ دیتے ہیں جسے اصطلاح میں تانگا کہا جاتا ہے۔

لاہور میں ہر عمارت کی بیرونی دیواریں دہری بنائی جاتی ہیں۔ پہلے اینٹوں اور چونے سے عمارت بناتے ہیں پھر اس پر اشتہاروں کا پلستر کر دیتے ہیں جو موٹائی میں رفتہ رفتہ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ یہ اشتہارات بڑی تیزی سے بدلتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے اکثر شہریوں کو کوئی جگہ تلاش کرنے میں پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ سازی اور سب سے بڑی حرفت انجمن سازی ہے۔ رسالے کا ہر نمبر عموماً خاص نمبر ہی ہوتا ہے جب کہ عام نمبر صرف خاص خاص مواقع پر شائع ہوتے ہیں۔ انجمنیں بہت زیادہ ہیں اور صدر کم ہیں۔ اس لیے ایک ہی فرد صبح، دوپہر اور شام کو منعقد ہونے والی مختلف تقاریب میں صدر ہوتا ہے جو ہر موقع پر ایک ہی تقریر کرتا ہے۔ اس سے سامعین کو بھی سہولت رہتی ہے۔

لاہور کی سب سے بڑی پیداوار یہاں کے طلبہ ہیں۔ ان کی فصل موسم سرما کے شروع میں بوئی جاتی ہے اور موسم بہار کے آخر میں پک کر تیار ہوتی ہے اور غیر ملکی منڈیوں میں بھی بھیجی جاتی ہے۔ طلبہ کی کئی قسمیں ہیں مگر کچھ ان میں سے زیادہ مشہور ہیں۔ پہلی قسم جمالی طلبہ کی ہے۔ یہ پہلے درزیوں کے ہاں تیار ہوتے ہیں۔ اس کے بعد دھوبی اور پھر نائی کے پاس بھیجے جاتے ہیں اور اس کے بعد کسی ریستوران میں ان کی نمائش ہوتی ہے۔ دوسری قسم جلالی طلبہ کی ہے۔ ان کا شجرۂ نسب جلال الدین اکبر سے ملتا ہے۔ یہ بڑی شان و شوکت کا مظاہرہ کرتے اور دوستوں پر خوب پیسہ خرچ کرتے ہیں۔ تیسری قسم خیالی طلبہ کی ہے اور یہ اکثر فلسفیانہ گفتگو کرتے پائے جاتے ہیں۔ گاتے ضرور ہیں لیکن اکثر بے سرے ہوتے ہیں۔ چوتھی اور آخری قسم خالی طلبہ کی ہے اور یہ طلبہ کی خالص ترین قسم ہے جو مطالعہ اور امتحان جیسے جھنجھٹ سے یکسر دور رہتے ہیں اور جس معصومیت کو لے کر کالج میں آتے ہیں اسے آخر دم تک برقرار رکھتے ہیں۔ لاہور کے لوگ بہت خوش طبع ہیں۔ (پطرس کے مضامین)

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''طلبہ کی کئی قسمیں ہوتی ہیں جن میں چند مشہور ہیں۔ قسم اوّل جمالی کہلاتی ہے۔ یہ طلبہ عام طور پر پہلے درزیوں کے ہاں تیار ہوتے ہیں، بعدازاں دھوبی اور پھر نائی کے پاس بھیجے جاتے ہیں اور اس عمل کے بعد کسی ریستوران میں ان کی نمائش کی جاتی ہے۔ دوسری قسم جلالی طلبہ کی ہے۔ ان کا شجرہ جلال الدین اکبر سے ملتا ہے، اس لیے ہندوستان کا تخت و تاج ان کی ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ شام کے وقت چند مصاحبوں کو ساتھ لیے نکلتے ہیں اور جود و سخا کے خم لنڈھاتے پھرتے ہیں۔

(بورڈ 2018ء)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** لاہور کا جغرافیہ

مصنف کا نام: احمد شاہ بخاری پطرس

سیاق و سباق:

لاہور کو دریافت ہوئے اب بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا اسے دلیلوں سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ لاہور، لاہور ہی، ہے۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن راوی کے نہ بہنے سے پنجاب اب پنج آب نہیں رہا۔ آبادی میں مسلسل اضافے سے اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے۔ لاہور میں ہوا کی بجائے گرد اور دھواں استعمال ہوتا ہے۔ پانی کا بندوبست یوں کیا گیا ہے کہ بارش کے پانی کو شہر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ جو سڑک بل کھاتی ہوئی لاہور کے بازاروں سے گزرتی ہے تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ قابلِ دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں اس لیے کہ دیواروں پر اشتہارات چسپاں ہیں۔ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ سازی اور حرفت انجمن سازی ہے۔ لاہور کی اہم ترین پیداوار طلبہ ہیں۔ جن کی چار قسمیں جلالی، جمالی، خالی اور خیالی ہیں۔ لاہور کے لوگ خوش طبع ہیں۔

تشریح: پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس ممتاز مزاح نگار تھے۔ پطرس کے مضامین اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سبق ''لاہور کا جغرافیہ'' میں انھوں نے لاہور شہر کے حوالے سے مزاح نگاری کی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں پطرس بخاری لاہور کے کالجوں کے طلبہ کے حوالے سے کہتے ہیں کہ طلبہ کی کئی اقسام ہیں جن میں جمالی، جلالی، خیالی اور خالی طلبہ زیادہ مشہور ہیں۔ اوّل قسم جمالی کہلاتی ہے۔ طلبہ کی یہ قسم اپنی ظاہری ہیئت کو جاذبِ نظر بنانے میں تمام تر توجہ صرف کرتی ہے۔ نئے انداز کے کپڑے سلواتی ہے، دھوبی سے بہترین دھلے ہوئے اور استری شدہ کپڑے پہنتی ہے اور حجام کے پاس تیار ہوتی ہے۔ بالوں کی تراش خراش، نئے انداز کی کٹائی، چہرے کی جلد کی صفائی، چہرے کو مختلف چیزوں سے گورا اور چمک دار بنانے کا عمل نائی کے پاس ہوتا ہے۔ کامل تیار ہو کر یہ طلبہ کمرۂ جماعت میں نہیں آتے، کالج کو بھی رونق نہیں بخشتے بلکہ ریستوران میں کھانا کھاتے اور کھلاتے پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم رعب و جلال کے حامل طلبہ کی ہے۔ یہ اپنی شان و شوکت پر تمام تر توجہ مرکوز کیے ہوئے ہیں۔ مصنف نے مزاحیہ انداز میں کہا ہے کہ ان کا تجرۂ نسب جلال الدین اکبر سے ملتا ہے۔ مغلِ اعظم 1556 تا 1605ء ہندوستان کا شہنشاہِ اعظم رہا۔ اس کی طرح کا جلال ان طلبہ کی سرشت میں ہوتا ہے۔ ہر شے ان کی ملکیت سمجھی جاتی ہے۔ ہاسٹل ہو، کمرۂ جماعت ہو یا سبزہ زار یہ اپنے مصاحبوں کے درمیان موجود ہوتے ہیں۔ ان کے رعب و جلال کا سامنا کرنے والا کوئی نہیں ہوتا۔ جیسے بادشاہ اپنی بادشاہت کے نشے میں لوگوں کو نوازتے تھے یہ طلبہ بھی مصاحبین کو کھلاتے پلاتے نظر آتے ہیں۔ ہاسٹل کے میس سے نہیں کھاتے نہ ہی کیفے ٹیریا سے بلکہ یہ بازار اور ہوٹل کے شان دار مراکز میں پائے جاتے ہیں۔ اکثر رہتے بھی ہوٹلز میں ہیں۔ ہاسٹل میں کم ہی فروکش ہوتے ہیں۔ تعلیم کا مقصد تعمیرِ شخصیت اور علم کا حصول ہے لیکن ہمارے نظامِ تعلیم کی بدنصیبی ہے کہ طلبہ ان مقاصد کے لیے کالجوں میں نہیں آتے اگرچہ کچھ طلبہ کا مقصد علم کا حصول ہی ہوتا ہے لیکن پطرس نے کالجوں بالخصوص گورنمنٹ کالج کے مجموعی ماحول کی منظر کشی کی ہے اور طلبہ کے اطوار کا مضحکہ اڑایا ہے۔ ان طلبہ کے اخلاق سے صاف ظاہر ہے کہ وہ تشنگانِ علم نہیں جن کے راستے میں فرشتے پر بچھاتے ہوں۔

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

.....

اقتباس: ایک دو غلط فہمیاں البتہ ضرور رفع کرنا چاہتا ہوں۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن پنجاب اب پنج آب نہیں رہا۔ اس پانچ دریاؤں کی سرزمین میں اب صرف ساڑھے چار دریا بہتے ہیں اور جو نصف دریا ہے وہ تو اب بہنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ اس کو اصطلاح میں راوی ضعیف کہتے ہیں۔ ملنے کا پتا یہ ہے کہ شہر کے قریب دو پل بنے ہوئے ہیں۔ ان کے نیچے ریت میں یہ دریا لیٹا رہتا ہے، بہنے کا شغل عرصے سے بند ہے۔ اس لیے یہ بتانا بھی مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے پر واقع ہے یا بائیں کنارے پر۔
(بورڈ 2022)

حوالۂ متن:۔ **سبق کا عنوان:** لاہور کا جغرافیہ
مصنف کا نام: احمد شاہ بخاری پطرس

سیاق وسباق:

لاہور کو دریافت ہوئے اب بہت عرصہ گزر چکا ہے۔ لہٰذا اسے دلیلوں سے ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ لاہور، لاہور ہی، ہے۔ لاہور پنجاب میں واقع ہے لیکن راوی کے نہ بہنے سے پنجاب اب پنج آب نہیں رہا۔ آبادی میں مسلسل اضافے سے اب لاہور کے چاروں طرف بھی لاہور ہی واقع ہے۔ لاہور میں ہوا کی بجائے گرد اور دھواں استعمال ہوتا ہے۔ پانی کا بندوبست یوں کیا گیا ہے کہ بارش کے پانی کو شہر سے باہر نہیں نکلنے دیا جاتا۔ جو سڑک بل کھاتی ہوئی لاہور کے بازاروں سے گزرتی ہے تاریخی اعتبار سے بہت اہم ہے۔ قابلِ دید مقامات مشکل سے ملتے ہیں اس لیے کہ دیواروں پر اشتہارات چسپاں ہیں۔ لاہور کی سب سے بڑی صنعت رسالہ سازی اور حرفت انجمن سازی ہے۔ لاہور کی اہم ترین پیداوار طلبہ ہیں۔ جن کی چار قسمیں جلالی، جمالی، خالی اور خیالی ہیں۔ لاہور کے لوگ خوش طبع ہیں۔

تشریح: پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس ممتاز مزاح نگار تھے۔ پطرس کے مضامین اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سبق ''لاہور کا جغرافیہ'' میں انھوں نے لاہور شہر کے حوالے سے مزاح نگاری کی ہے۔

پطرس بخاری لاہور کے حوالے سے مزاح نگاری کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یوں تو لاہور، لاہور ہے۔ زندہ دلوں، کالجوں اور مختلف ثقافتوں کا شہر ہے۔ تاریخی عمارات کا شہر ہے۔ صوبائی دارالحکومت ہے لیکن اس کی یہ پہچان کہ یہ پنجاب میں واقع ہے، درست نہیں ہے۔ پنجاب کا مطلب ہے پانچ دریاؤں کی سرزمین۔ اب پنجاب میں پانچ دریا تو نہیں بہتے، ساڑھے چار بہتے ہیں۔ ان کا اشارہ راوی کے سوکھنے کی طرف ہے کہ اب آدھا بہنے کے لائق نہیں رہا۔ اس کو اصطلاح میں بوڑھا راوی کہتے ہیں جس کی آب و تاب ختم ہو چکی ہے۔ راوی کبھی پورے جوبن پر بہتا تھا۔ وقت گزرا تو اس کے بہاؤ میں کمی آ گئی۔ پطرس کے دور میں راوی آدھا بہنا بند ہو چکا تھا۔ سال کا کچھ عرصہ بالکل خشک رہتا۔ برسات میں کچھ بہتا۔ یوں یہ ماضی جیسا دریا نہیں رہا تھا۔ اب یہ ریت کا دریا بن چکا تھا۔ دریا اپنے پانی اور روانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ چونکہ اب اس دریا میں پانی نہیں رہا تھا اس لیے اسے ڈھونڈنا دشوار ہو چکا ہے۔ ملنے کا پتا یہ ہے کہ شہر کے قریب دو پل بنے ہوئے ہیں ان کے نیچے ریت کا دریا ہے۔ دراصل یہاں ہی کبھی پانی بہتا تھا۔ اب بہنے کا شغل عرصے سے بند ہے۔ چونکہ دریا میں پانی نہیں رہا اس لیے پہچاننا مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں کنارے واقع ہے یا بائیں کنارے پر۔ اشارہ آبادی کے بے ہنگم اضافے کی طرف بھی ہے کہ شہر اتنا پھیل

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ہے اور دریا کے شمال میں بھی آبادی اتنی ہو چکی ہے کہ بتانا مشکل ہے کہ شہر دریا کے دائیں طرف واقع ہے یا بائیں طرف۔ دوسری غلط فہمی جس کی طرف اشارہ ہے وہ یہ بھی ہے کہ شہر اتنا پھیل چکا ہے کہ اب تو لاہور پنجاب کا دارالحکومت ہے لیکن آبادی میں اضافہ اسی شرح سے ہوتا رہا تو کچھ عرصے بعد لاہور صوبہ ہوگا اور پنجاب اس کا دارالحکومت۔ الغرض لاہور کو دریائے راوی اور صوبائی دارالحکومت کے لحاظ سے پہچاننا دشوار ہو چکا ہے۔

.....

اقتباس: ''بہم رسانیٔ آب کے لیے ایک اسکیم عرصے سے کمیٹی کے زیرِ غور ہے۔ یہ اسکیم نظام سقّے کے وقت سے چلی آتی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ نظام سقّے کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے اہم مسوّدات بعض تو تلف ہو چکے ہیں اور جو باقی ہیں ان کے پڑھنے میں بہت دقت پیش آ رہی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ تحقیق و تدقیق میں ابھی چند سال اور لگ جائیں۔ عارضی طور پر پانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ فی الحال بارش کے پانی کو حتی الوسع شہر سے باہر نکلنے نہیں دیتے، اس میں کمیٹی کو بہت کامیابی حاصل ہوئی ہے۔'' (بورڈ 17-2013-2010-2007)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: لاہور کا جغرافیہ

مصنف کا نام: احمد شاہ بخاری پطرس

سیاق و سباق: اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق و سباق موزوں ہے۔

تشریح: پروفیسر احمد شاہ بخاری پطرس ممتاز مزاح نگار تھے۔ پطرس کے مضامین اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ سبق ''لاہور کا جغرافیہ'' میں انھوں نے لاہور شہر کے حوالے سے مزاح نگاری کی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے طنز و مزاح کے پیرائے میں لاہور کے مسائل پر تنقید کی ہے۔ پطرس گرد و پیش میں بکھرے مسائل سے مزاح پیدا کرتے ہیں۔ مذکورہ مضمون میں بھی انھوں نے آب و ہوا کے مسائل کو موضوع بنایا ہے اور میونسپل کمیٹی پر تنقید کی ہے کہ بجائے عوام کو سہولتیں دینے کے انھیں مزید الجھنوں اور مشکلات میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ بہم رسانی آب یعنی گھروں تک پانی پہنچانے کے لیے ایک منصوبہ عرصہ دراز سے کمیٹی کے زیرِ غور ہے۔ یہ منصوبہ صدیوں قبل نظام سقّے کے زمانے سے چلا آ رہا ہے۔ مصنف نے مزاح کا انداز اختیار کرتے ہوئے نظام سقّے کا نام بطور تلمیح استعمال کیا ہے۔ سقّہ سے مراد ماشکی پانی بھرنے والا ہے۔ واقعہ کچھ یوں تھا کہ مغل حکمران ہمایوں جب شیر شاہ سوری (جنگ چونسہ جون 1539ء) سے شکست کھا کر بھاگا تو دریائے گنگا میں ڈوبنے لگا تو وہاں نظام سقّے نے اس کی جان بچائی۔ ہمایوں بادشاہ نے اس احسان کو یاد رکھا اور جب وہ دوبارہ تخت نشیں ہوا تو اس نے نظام سقّے کو وعدے کے مطابق ڈھائی دن کی بادشاہت عطا کی۔ نظام نے بھی پانی لوگوں کے گھروں تک پہنچانے کے لیے ایک منصوبہ تشکیل دیا تھا۔ مصنف نے موقع محل کی مناسبت سے نظام سقّے کا ذکر کیا ہے کہ اس کے ہاتھ کے لکھے ہوئے بعض مسوّدات تو پرانے ہونے کی وجہ سے ضائع ہو چکے ہیں اور جو باقی بچے ہیں انھیں پڑھنے میں مشکل پیش آ رہی ہے۔ اس لیے شہریوں کو فی الحال پانی پہنچانا مشکل ہے۔ پانی زندگی کی بنیادی ضرورت ہے جس کے بغیر زندگی محال ہے۔ غور کیا جائے تو یہ انتہائی اہم مسئلہ ہے جسے پطرس نے طنز و مزاح کے پیرائے میں پیش کیا ہے۔

اہلِ لاہور کو پانی میسر کرنے میں کمیٹی ناکام ہو چکی ہے۔ عارضی طور پر پانی کا یہ انتظام کیا گیا ہے کہ بارش کے پانی کو شہر سے نکلنے نہیں دیتے اور اسے شہر کی حدود میں ہی جمع رکھا جاتا ہے۔ اس منصوبے میں کمیٹی کو خاصی کامیابی ہوئی ہے۔ اگر یوں ہی پانی جمع ہوتا رہا تو عنقریب ہر محلّے کا اپنا ایک الگ دریا ہوگا۔ اس عبارت میں دراصل میونسپل کمیٹی کی ناقص کارکردگی پر طنز کی گئی ہے کہ اگر ایک طرف وہ عوام کو پانی کی سہولت بہم پہنچانے میں ناکام ہے تو دوسری جانب استعمال شدہ اور گندے پانی کے نکاس کا کوئی انتظام نہیں جس کی وجہ سے ہر محلّہ اور علاقہ تالاب کی شکل

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

اختیار کر جاتا ہے۔

کثیر الانتخابی سوالات

س۔ درست جواب کے گرد دائرہ لگائیں۔

1۔ پطرس بخاری کا سنِ ولادت ہے:

(A) 1890ء (B) 1895ء (C) 1898ء (D) 1899ء

2۔ پطرس بخاری کا سنِ وفات ہے:

(A) 1950ء (B) 1955ء (C) 1958ء (D) 1960ء

3۔ پطرس بخاری کے بقول پنجاب میں کتنے دریا بہتے ہیں:

(A) دو (B) تین (C) چار (D) ساڑھے چار

4۔ پطرس بخاری نے راوی کو کہا ہے:

(A) قدیم (B) قلیل (C) ضعیف (D) طویل

5۔ لاہور پہنچنے کے مشہور راستے کتنے ہیں:

(A) دو (B) چار (C) تین (D) چھ

6۔ وسطی ایشیا کے حملہ آور لاہور داخل ہوئے:

(A) پشاور کے راستے (B) دلی کے راستے (C) کلکتہ کے راستے (D) بنارس کے راستے

7۔ یو۔پی کے حملہ آور لاہور کس راستے سے داخل ہوئے:

(A) دہلی (B) بمبئی (C) بنارس (D) پشاور

8۔ لاہور کے حدود اربعہ کو منسوخ کر دیا ہے:

(A) میونسپلٹی نے (B) واسانے (C) ایل۔ڈی۔اے نے (D) واپڈا نے

9۔ ماہرین کے خیال میں کتنے سال بعد لاہور ایک صوبے کا نام ہوگا:

(A) پچاس سال (B) چالیس سال (C) دس، بیس سال (D) پندرہ سال

10۔ ماہرین کے خیال کے مطابق جب لاہور صوبہ بن جائے گا تو اس کا دارالخلافہ ہوگا:

(A) پنجاب (B) سندھ (C) سرحد (D) بلوچستان

11۔ لاہور میں بہم رسانیٔ آب کے لیے ابتدائی منصوبہ کس نے بنایا؟

(A) شیر شاہ سوری نے (B) انگریز نے (C) جہانگیر نے (D) نظام سقّے

12۔ نظام سقّے کے ہاتھ کے لکھے ہوئے اہم مسوّدات ہو گئے ہیں:

(A) تلف (B) ختم (C) گُم (D) پھٹ

13۔ نظام سقّے کے مسوّدات کے مطابق پانی کے لیے ضروری ہیں:

(A) نل (B) لوگ (C) گھر (D) بستیاں

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

14۔ کمیٹی نے نل لگوائے ہیں خرچ کر کے:

(A) ہزار روپے (B) لاکھوں روپے (C) کروڑوں روپے (D) سیکڑوں روپے

15۔ فی الحال ان نلوں میں بھری ہے:

(A) کاربن ڈائی آکسائیڈ (B) آکسیجن (C) ہائیڈروجن (D) آکسیجن اور ہائیڈروجن

16۔ اہلِ شہر کو ہدایت کی گئی ہے کہ نلوں کے نیچے چھوڑیں اپنے:

(A) برتن (B) گھڑے (C) گلاس (D) جگ

17۔ لاہور کی سڑک بنوائی تھی:

(A) شیر شاہ سوری نے (B) اکبر نے (C) جہانگیر نے (D) ہمایوں نے

18۔ اِس سڑک پر موجود ہیں:

(A) گاڑیاں (B) تاریخی گڑھے (C) خندقیں (D) تاریخی گڑھے اور خندقیں

19۔ پطرس بخاری کے مطابق تانگوں میں گھوڑے استعمال ہوئے:

(A) بناسپتی (B) ولایتی (C) ایرانی (D) ترکی

20۔ بناسپتی گھوڑا شکل وصورت میں ملتا ہے:

(A) چاند سے (B) سورج سے (C) دُم دار ستارے سے (D) اونٹ سے

21۔ لاہور میں قابلِ دید مقامات ملتے ہیں:

(A) مشکل سے (B) بہت زیادہ (C) بہت کم (D) ہر طرف

22۔ بناسپتی گھوڑا حرکت کے وقت دبا لیتا ہے:

(A) گردن (B) سر (C) دُم (D) منھ

23۔ لاہور کی ہر عمارت کی دیواریں بنائی جاتی ہیں:

(A) سنگل (B) دہری (C) تیسری (D) ترچھی

24۔ ان دیواروں پر پلستر کر دیا جاتا ہے:

(A) مٹی کا (B) سیمنٹ کا (C) ریت کا (D) اشتہاروں کا

25۔ رفتہ رفتہ گھر کی چار دیواری صورت اختیار کر لیتی ہے:

(A) ڈائرکٹری کی (B) کتابوں کی (C) کاپیوں کی (D) باغ کی

26۔ جہاں بحرفِ جلی محمد علی دندان ساز لکھا ہے وہ دفتر ہے:

(A) بجلی کا (B) پانی کا (C) گیس کا (D) اخبارِ انقلاب کا

27۔ خالص گھی کی مٹھائی مکان ہے:

(A) امتیاز علی تاج کا (B) پریم چند کا (C) میرزا ادیب کا (D) غلام عباس کا

28۔ کرشنا بیوٹی کریم والا راستہ باغ کو جاتا ہے:

(A) شالامار کو (B) لارنس کو (C) ریس کورس کو (D) گلشن اقبال کو

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

29۔ کھانسی کا مجرب نسخہ والا راستہ جاتا ہے مقبرے کو:

(A) نور جہاں (B) عالمگیر (C) جہانگیر (D) اکبر

(بورڈ 2022)

30۔ اشتہاروں کے علاوہ لاہور کی سب سے بڑی صنعت ہے:

(A) رسالہ سازی (B) سکول (C) کالج (D) یونی ورسٹی

31۔ لاہور کی سب سے بڑی حرفت ہے:

(A) انجمن سازی (B) دندان سازی (C) رنگ سازی (D) رسالہ سازی

32۔ ہر رسالے کے عام نمبر موقعوں پر شائع کیے جاتے ہیں:

(A) خاص خاص (B) ہر وقت (C) سال بعد (D) مہینوں بعد

33۔ لاہور کے ہر مربع انچ میں موجود ہے:

(A) اسکول (B) کالج (C) انجمن (D) تالاب

34۔ لاہور کی سب سے مشہور پیداوار ہے:

(A) چاول (B) گندم (C) طلبہ (D) ڈاکٹر

35۔ ہزاروں کی تعداد میں طلبہ بھیجے جاتے ہیں:

(A) دساور کو (B) کالجوں کو (C) اسکولوں (D) یونی ورسٹیوں کو

36۔ طلبہ کی مشہور قسمیں ہیں:

(A) جمالی (B) جلالی (C) خیالی اور خالی (D) یہ سب

37۔ جمالی طلبہ تیار ہوتے ہیں:

(A) درزیوں کے ہاں (B) ڈاکٹر کے ہاں (C) ججوں کے ہاں (D) وکیلوں کے ہاں

38۔ جمالی طلبہ درزیوں کے ہاں تیار ہونے کے بعد بھیجے جاتے ہیں:

(A) دھوبی کے پاس (B) نائی کے پاس (C) موچی کے پاس (D) دھوبی اور نائی کے پاس

39۔ جمالی طلبہ کی نمائش ہوتی ہے:

(A) ریستوران میں (B) سرکس میں (C) چڑیا گھر میں (D) عجائب گھر میں

40۔ جلالی طلبہ کا شجرہ ملتا ہے:

(A) جلال الدین اکبر سے (B) ہمایوں سے (C) جہانگیر سے (D) اورنگ زیب سے

41۔ جلالی طلبہ شام کے وقت نکلتے ہیں ساتھ لیے:

(A) مصاحبوں کو (B) والد کو (C) بھائی کو (D) ماموں کو

42۔ جلالی طلبہ جو دوسخا کے لُنڈھاتے پھرتے ہیں:

(A) دریا (B) سمندر (C) تالاب (D) خم

43۔ جلالی طلبہ کو خوراک راس نہیں آتی:

(A) کالج کی (B) ہوٹل کی (C) گھر کی (D) شہر کی

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

44۔ جلالی طلبہ فروکش نہیں ہوتے:
(A) کالج میں (B) ہوسٹل میں (C) گھر میں (D) شہر میں

45۔ خیالی طلبہ تبادلہ خیالات کرتے ہیں:
(A) روپ واخلاق (B) آواگون اور جمہوریت (C) آفرینش (D) ان سب پر

46۔ خیالی طلبہ نظریے پیش کرتے ہیں:
(A) آفرینش اور نفسیات پر (B) خوراک پر (C) آب وہوا پر (D) تعلیم پر

47۔ خیالی طلبہ ارتقائے انسانی کے لیے ضروری سمجھتے ہیں:
(A) صحبت کو (B) نفرت کو (C) خوراک کو (D) صحتِ جسمانی کو

48۔ خیالی طلبہ علی الصباح ڈنٹر پیلتے ہیں:
(A) دو (B) چار (C) تین (D) پانچ، چھے

49۔ خیالی طلبہ شام کو گہرے سانس لیتے ہیں چھت پر:
(A) ہوسٹل کی (B) گھر کی (C) دفتر کی (D) کالج کی

50۔ خیالی طلبہ کیسا گاتے ہیں۔
(A) سُریلا (B) بے سُرا (C) پیارا (D) خیالی

51۔ طلبہ کی خالص ترین قسم ہے:
(A) جمالی طلبہ (B) جلالی طلبہ (C) خیالی طلبہ (D) خالی طلبہ

52۔ لاہور کے لوگ ہیں:
(A) خوش شکل (B) خوش خیال (C) خوش عقیدہ (D) خوش طبع

53۔ خالی طلبہ اِس طرح زندگی بسر کرتے ہیں جس طرح بتیس دانوں میں:
(A) زبان (B) کان (C) ہاتھ (D) سر

54۔ دریائے راوی کہاں پایا جاتا ہے:
(A) شہر کے دائیں طرف (B) شہر کے بائیں طرف (C) شہر سے باہر (D) پُلوں کے نیچے

55۔ نصف دریا کو اصطلاح میں کہتے ہیں: (بورڈ 2016,18ء)
(A) نہر (B) راوی (C) تالاب (D) راوی ضعیف

جوابات

A	-5	C	-4	D	-3	C	-2	C	-1
A	-10	C	-9	A	-8	A	-7	A	-6
D	-15	C	-14	A	-13	A	-12	D	-11
C	-20	A	-19	D	-18	A	-17	B	-16

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

A	-25	D	-24	B	-23	C	-22	A	-21
A	-30	C	-29	A	-28	A	-27	D	-26
A	-35	C	-34	C	-33	A	-32	A	-31
A	-40	A	-39	D	-38	A	-37	D	-36
D	-45	B	-44	A	-43	D	-42	A	-41
B	-50	A	-49	D	-48	D	-47	A	-46
D	-55	D	-54	A	-53	D	-52	D	-51

www.pakcity.org
EDUCATION
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

12

دوستی کا پھل

(شفیع عقیل)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
لوک داستان	وہ بن لکھی سبق آموز عوامی داستان جو سینہ بہ سینہ چلی آتی ہے۔ اس کے مصنف کا معلوم نہیں ہوتا۔ یہ معاشرے میں اچھے رویے پروان چڑھاتی ہے۔
کھوہ	درخت کے اندر کا کھوکھلا غار نما حصہ۔ گڑھا
تلملا کر رہ جانا	پیچ وتاب کھانا
آن کی آن میں	یک لخت۔ اچانک۔ فوراً
آؤ دیکھا نہ تاؤ	جھٹ پٹ۔ بغیر سوچے سمجھے فوراً
مارا مارا پھرنا	آوارہ در بدر پھرنا
آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جانا	ہکا بکا رہ جانا، حیران ہونا
گدھ	چیل کی قسم کا مردار خور پرندہ
ماں جایا	ایک ماں سے جنم شدہ حقیقی بھائی
حواس باختہ ہونا	سخت گھبرا جانا
بھاڑ میں جائے	آگ لگ جائے۔ جل جائے۔ لاتعلقی کے اظہار کے لیے بولتے ہیں۔
الٹے پاؤں بھاگنا	تیز بھاگنا
بھانپ جانا	تیور دیکھ کر اندازہ لگا لینا، جان لینا
الاؤ	آگ کا ڈھیر
وقت پڑنا	مشکل وقت آنا
سنگی	دوست، رفیق، ساتھی

www-pakcity-org
EDUCATION
pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

(بورڈ 2007,08,09,10,17,18,22)

خلاصہ:

شفیع عقیل کا شمار مشہور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی لوک کہانیوں کے تراجم بہت مقبول ہیں۔ سبق دوستی کا پھل لوک کہانی ہے جس میں باہمی دوستانہ تعلقات کی افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

کسی جنگل میں ایک کبوتر اور کبوتری درخت پر گھونسلا بنائے زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب کبوتری نے انڈے دیے تو اس کے دل میں خدشہ پیدا ہوا کہ کوئی اس کے انڈوں کو نقصان نہ پہنچائے، اس امر کا ذکر اس نے کبوتر سے کیا۔ کبوتر نے کبوتری کے موقف کی تائید کی دونوں کو کسی ایسے دوست کی ضرورت محسوس ہوئی جو مصیبت میں ان کے کام آئے۔ قریب فقط گدھوں کا ایک جوڑا رہتا تھا۔ کبوتر ان سے جا کر ملا دوستی کی خواہش ظاہر کی گدھوں کے جوڑے نے بھی خیر سگالی کے جذبات کا اظہار کیا اور ان کے درمیان دوستی اور امداد و تعاون کا عہد ہو گیا۔

گدھ نے کبوتر کو مشورہ دیا کہ قریب کے ایک درخت کی کھوہ میں ایک سانپ رہتا ہے اگر وہ بھی ہمارا دوست بن جائے تو ہم بہت سے خطرات سے محفوظ ہو جائیں گے۔ کبوتر کو بھی یہ تجویز پسند آئی چناں چہ اسی وقت کبوتر اور گدھ دونوں سانپ سے جا کر ملے سانپ نے بڑے غور سے ان کی باتیں سنیں اور کہنے لگا کہ دوستی معمولی بات نہیں اس میں تو بعض اوقات ایک دوسرے کے لیے جان تک دینا پڑتی ہے۔ کبوتر اور گدھ نے اسے یقین دلایا کہ وہ ہر قربانی دینے کو تیار ہیں تو سانپ نے بھی ان سے دوستی نبھانے کا عہد کر لیا۔ اب کبوتری مطمئن ہو گئی کہ انڈوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے وہ اکیلے نہیں ہیں۔

چند دنوں کے بعد انڈوں سے بچے نکل آئے۔ کبوتر اور کبوتری دن رات ان کی حفاظت کرتے۔ ایک دن ایک شکاری اس طرف آ نکلا۔ اس روز اسے کوئی شکار نہیں ملا تھا۔ وہ خالی ہاتھ گھر نہیں جانا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا کیوں نہ کسی پرندے کے بچے ہی لے چلوں۔ شام کے جھٹ پٹے میں اس نے گھونسلا تو دیکھ لیا لیکن رفتہ رفتہ تاریکی گہری ہونے لگی۔ شکاری کو روشنی کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ درخت پر چڑھ کر گھونسلے تک پہنچ سکے۔ اس نے گھاس پھونس جمع کی اور اسے آگ لگائی۔ کبوتر اور کبوتری نے خطرہ محسوس کیا تو اپنی مدد آپ کے اصول کے تحت قریبی دریا سے پروں میں پانی بھر لائے اور آگ بجھانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ بجھ گئی۔ درخت پر چڑھتا ہوا شکاری نیچے اتر آیا۔

شکاری نے اب ذرا موٹی لکڑیاں اکٹھی کیں اور آگ جلائی۔ خطرہ بڑھتے دیکھ کر کبوتر اور کبوتری نے گدھوں کے جوڑے کو اطلاع کی تو وہ فوراً مدد کو آ پہنچے اور دریا سے پروں میں پانی بھر بھر کر لانے لگے۔ آگ ایک دفعہ پھر بجھ گئی اور شکاری کو ناکام درخت سے اترنا پڑا۔ اس تگ و دو میں شکاری تھک گیا چناں چہ اس نے رات جنگل میں بسر کرنے کا فیصلہ کیا اور درخت کے نیچے ہی سونے کی تیاری کرنے لگا۔ کبوتر اور گدھ اس کے ارادے کو بھانپ گئے انھوں نے سانپ کو تمام واقعات سے آگاہ کیا۔ سانپ نے انھیں تسلی دی اور گھر واپس جانے کا مشورہ دیا۔

صبح جب شکاری بیدار ہو کر درخت کی طرف بڑھا تو کیا دیکھا کہ ایک سانپ درخت کے تنے سے لپٹا ہوا پھنکار رہا ہے تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ دوستی کی وجہ سے کبوتر نہ صرف سکھ چین کی زندگی گزار رہے ہیں بلکہ دوستی اور امن کے سفیر بھی سمجھے جاتے ہیں۔

(پنجابی لوک داستانیں)

.....

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''سچ تو یہ ہے کہ کبوتری کی بات کبوتر کے دل کو لگ گئی تھی۔ آج تک اس کا اس طرف دھیان ہی نہ گیا تھا اور اب کبوتری کے کہنے پر اسے بھی احساس ہونے لگا تھا کہ کوئی نہ کوئی دوست ضرور ہونا چاہیے۔ وہ دل ہی دل میں اپنے اردگرد کے قریبی علاقے کے بارے میں سوچنے لگا کہ وہاں کون کون رہتا ہے؟ کچھ پرندے اس کے ذہن میں آئے لیکن وہ وہاں سے کافی فاصلے پر رہتے تھے۔ اس لیے ان سے دوستی کرنا یا نہ کرنا

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

برابر تھا کیوں کہ وقت پڑنے پر انھیں اطلاع بھی نہیں کی جا سکتی تھی۔"

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: دوستی کا پھل

مصنف کا نام: شفیع عقیل

سیاق وسباق:

کسی جنگل میں کبوتر اور کبوتری رہا کرتے تھے۔ کبوتری نے انڈے دیے۔ ان انڈوں کی دیکھ بھال کے لیے کبوتری نے کبوتر کو جنگل میں دوست بنانے کا مشورہ دیا تا کہ وہ دونوں اور ان کے انڈے ہر قسم کے خطرات سے محفوظ رہ سکیں۔ چناں چہ گدھ اور سانپ سے دوستی کر لی۔ ایک روز ایک شکاری اس درخت کے نیچے آ نکلا جس پر کبوتر اور کبوتری کا گھونسلا تھا۔ رات ہونے کی وجہ سے اس نے درخت کے نیچے آگ جلائی جسے دو مرتبہ کبوتر اور کبوتری نے دریا سے اپنے پروں میں پانی لا کر بجھا دیا۔ شکاری نے آگ تیز کی تو کبوتر اور کبوتری نے سانپ اور گدھ کی مدد چاہی۔ شکاری رات کو یہ ارادہ کر کے سو گیا کہ صبح دن کی روشنی میں پرندے نکال لوں گا۔ صبح اٹھا تو درخت کے قریب سانپ کو دیکھ کر شکاری اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگ گیا۔ اس طرح کبوتر اور کبوتری نہ صرف سکھ چین سے زندگی بسر کرنے لگے بلکہ دوستی اور امن کے سفیر بھی کہلائے۔

تشریح: شفیع عقیل کا شمار مشہور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی لوک کہانیوں کے تراجم بہت مقبول ہیں۔ سبق دوستی کا پھل لوک کہانی ہے جس میں باہمی دوستانہ تعلقات کی افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ یہ آرزو ہر کسی کے دل میں ہوتی ہے کہ کوئی ایسی ہستی ہو جو مشکل میں اس کے کام آئے۔ اگر کوئی مصیبت پڑے تو وہ اس کی مدد کرے اور اس مصیبت سے اسے نکلنے میں مدد دے۔ ایسی ہستی دوست کہلاتی ہے۔ شفیع عقیل پرندوں کی کہانی کی مدد سے ہمارے سامنے دوستی کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ کسی جنگل میں ایک بڑے درخت پر کبوتر اور کبوتری خوش وخرم زندگی بسر کر رہے تھے۔ جب کبوتری نے انڈے دیے تو اسے یہ خدشہ لاحق ہو گیا کہ کہیں کوئی میرے انڈے نہ لے جائے۔ یہی انڈے ان کے لیے بہت قیمتی سرمایہ تھے کیوں کہ ان کی افزائشِ نسل کا تعلق انھیں انڈوں سے تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کبوتری کے خدشات بڑھتے گئے۔ مامتا کے جذبات نے اسے مجبور کیا کہ وہ ان انڈوں کی حفاظت کی کوئی سبیل کرے۔ چناں چہ کبوتری نے کبوتر کو مشورہ دیا کہ ہمیں کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی سے دوستی کرنی چاہیے تا کہ بوقتِ مصیبت محفوظ رہ سکیں۔ کبوتر نے اس پہلو پر کبھی غور نہ کیا تھا لیکن اس وقت کبوتری کی بات اس کو بھلی لگی۔ جواباً کبوتر نے کہا کہ ہماری برادری کا اس جنگل میں کوئی پرندہ نہیں ہے۔ کبوتری نے مشورہ دیا کہ کوئی بات نہیں دوسری برادری کے پرندوں یا جانوروں سے بھی تو دوستی ہو سکتی ہے۔ کبوتر نے سوچ بچار شروع کر دی۔ دن رات اس کھوج میں لگا رہا کہ آخر ہماری دوستی کس سے فائدہ مند ثابت ہو سکتی ہے۔ اچانک اسے یاد آیا کہ ہماری برادری کے پرندے رہتے تو ہیں لیکن وہ بہت دور ہیں ان سے دوستی کرنے یا نہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے کیوں کہ وہ خوشی غمی میں شریک نہیں ہو سکتے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ قریب رہنے والے ہی مؤثر ثابت ہوتے ہیں، دور کے رہنے والے رشتے داروں سے قریبی غیر لسل کے لوگ بہتر ہیں کیوں کہ خوشی غمی میں وہ برابر شریک ہوتے ہیں۔ کافی سوچ بچار کے بعد کبوتر نے قریبی درختوں پر رہنے والے گدھوں سے دوستی کر لی۔ کبوتر اور گدھ کی دوستی ناممکن ہے لیکن اس دوستی کو مصنف نے علامتی دوستی قرار دیا ہے۔ حقیقت میں وہ یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ دوستی کا معیار بلاتفریق مذہب وملت قائم کرنا چاہیے۔ مزاج کے لحاظ سے گدھ کبوتروں کے دشمن ہیں لیکن دوستی کی پاسداری کے لیے وہ ان کی ہر مصیبت میں ان کا ساتھ دیتے ہیں۔ کبوتر کی گدھوں اور سانپ سے دوستی مؤثر ثابت ہوئی کیوں کہ جب شکاری نے کبوتر اور کبوتری پر حملہ کرنا چاہا تو ان کے دوست گدھ اور سانپ ہی نے ان کی زندگی بچائی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سانپ اور گدھ جان لیوا مخلوق ہیں لیکن کبوتر نے ان کے عیب نہیں

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دیکھے بلکہ ان کی دوستی کا معیار دیکھا ہے۔ آج اگر انسان بھی کبوتر، گدھ اور سانپ کی طرح ایک دوسرے سے دوستی کر لیں تو کوئی شک نہیں کہ انسان کی زندگی پُرسکون گزرے اور انسان ہر قسم کے بیرونی خطرات سے محفوظ رہے۔

آج انسانوں کو چاہیے کہ وہ بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے دوستی کو فروغ دیں۔ ایسی مخلوق جو شعور نہیں رکھتی، اگر ان کے درمیان دوستی قدرِ مشترک ہو سکتی ہے تو انسانوں کے درمیان یہ ناممکن کیوں ہے؟

سماجی زندگی بسر کرتے ہوئے انسان کے دوسرے انسانوں سے مختلف نوعیت کے تعلقات تشکیل پاتے ہیں۔ یہ خونی رشتے بھی ہوتے ہیں، جذباتی رشتے بھی، روایتی رشتے بھی اور ضرورت کے رشتے بھی۔ اچھے بُرے ہر طرح کے لوگوں سے انسانوں کا واسطہ پڑتا ہے لیکن انسان چاہتا ہمیشہ یہی ہے کہ جن لوگوں سے اس کا تعلق ہو وہ مصیبت میں کام آنے والے ہوں۔ جو اس کے مسائل کو حل کرنے میں اس کے معاون ہوں۔ دکھ سکھ کے ساتھی ہوں۔ جن کے سامنے وہ ہر بات کہہ سکے۔ جن کے بارے میں اسے یقین ہو کہ اگر مشکل میں میں نے انھیں آواز دی تو وہ ضرور میری مدد کو پہنچیں گے۔ یہ احساس انسان کے لیے زندگی آسان بنا دیتا ہے۔ حضرت علی ؓ کا ارشاد ہے۔ ''غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں ہے۔''

.....

اقتباس: ''کبوتر گدھوں کے جوڑے کو ساتھ لے کر آیا تو انھوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور اس کی روشنی میں شکاری درخت پر چڑھ رہا تھا۔ دونوں گدھ کبوتر اور کبوتری کے ساتھ جلدی جلدی دریا پر گئے اور انھوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھر کے لا کر آگ پر پھینکنا شروع کر دیا۔ اس طرح دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں جلتی ہوئی آگ بجھ گئی۔ یہ دیکھ کر شکاری تلملا کر رہ گیا۔ مصیبت یہ تھی کہ اب اندھیرا بہت زیادہ ہو چکا تھا۔ پھر یہ بھی تھا کہ شکاری بار بار درخت پر چڑھنے میں تھک چکا تھا۔''

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: دوستی کا پھل

مصنف کا نام: شفیع عقیل

سیاق وسباق: درج بالا پیراگراف کے ساتھ لکھا گیا سیاق وسباق اس پیراگراف کے لیے بھی مناسب ہے۔

تشریح: شفیع عقیل کا شمار مشہور نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی لوک کہانیوں کے تراجم بہت مقبول ہیں۔ سبق دوستی کا پھل لوک کہانی ہے جس میں باہمی دوستانہ تعلقات کی افادیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ کبوتری نے اپنی جان اور انڈوں کے دفاع کے لیے کبوتر کو کسی سے دوستی کرنے پر مجبور کیا تو کبوتر کو کبوتری کی بات اچھی لگی۔ دوستی کی تلاش میں اسے اپنی برادری کا کوئی پرندہ نظر نہ آیا۔ اگر اپنی برادری کے چند پرندے تھے بھی تو وہ بہت دور تھے اور وہ کسی بھی خوشی یا غمی میں بروقت نہیں پہنچ سکتے تھے۔ چناں چہ کبوتر نے گدھوں اور سانپ سے دوستی قائم کر لی۔ ان تینوں کے درمیان معاہدہ یہ ہوا کہ جب کبھی کسی پر مصیبت آئے گی تو تینوں یک جان ہو کر اس کا مقابلہ کریں گے۔ بُرا وقت بتا کر نہیں آیا کرتا۔ بدقسمتی سے ایک دن ایک شکاری نے کبوتر اور کبوتری کے بچوں پر حملہ کرنا چاہا، شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں شکاری کو کچھ نظر نہ آ رہا تھا۔ اس کو ترکیب یہ سوجھی کہ اس نے درخت کے نیچے آگ جلائی تا کہ آگ کی روشنی میں وہ اپنے شکار تک پہنچ جائے۔ جب آگ جلائی تو کبوتر اور کبوتری کو خطرہ لاحق ہو گیا۔ موقع محل کی نزاکت دیکھ کر انھوں نے گدھوں کو اطلاع دی اور مدد چاہی۔ کبوتر اور گدھ جب اکٹھے آئے تو انھوں نے دیکھا کہ آگ پوری طرح جل رہی تھی اور شکاری آگ کی روشنی سے فائدہ اٹھا کر اپنے شکار کے تعاقب میں درخت پر چڑھ رہا ہے۔ پہلے کبوتروں نے اپنی مدد آپ کے تحت آگ بجھانے کی کوشش کی۔ پھر گدھ کی مدد حاصل کی جنھوں نے اپنے بڑے بڑے پروں میں پانی بھرا اور اس آگ پر چھڑکنا شروع کر دیا۔ پانی کا ہر قطرہ ان کی جان کا محافظ بننے لگا دیکھتے ہی دیکھتے گھپ اندھیرا ہو گیا کیوں کہ آگ مکمل طور پر بجھ چکی تھی۔ گویا جو مخلوق بھی اپنی مدد آپ کرنے کی

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

عادی ہوتی ہے، خدا اس کی مدد کرتا ہے اور وہ اپنے بڑے سے بڑے دشمن سے بھی محفوظ رہ سکتی ہے۔ شکاری سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی جلائی ہوئی آگ بجھے گی لیکن اچانک بجھی ہوئی آگ کو دیکھ کر اس کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ درخت پر بار بار اترنے چڑھنے سے شکاری کافی حد تک تھک چکا تھا۔ اس کی اس تھکاوٹ اور غفلت نے اس کو اپنے مشن میں کامیاب نہ ہونے دیا۔ ممکن ہے کہ اگر شکاری اپنا مشن جاری رکھتا تو کامیاب ہو جاتا لیکن جو خوابِ غفلت میں سو جاتے ہیں وہ کبھی اپنے مشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے بلکہ ایسے لوگوں کے مقابلے میں کبوتر اور گدھ جیسی مخلوق بھی کامیاب ہو جاتی ہے۔ دراصل کبوتر اور کبوتری کا بچ جانا ان کی باہمی دوستی کی وجہ سے ہوا۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1- شفیع عقیل پیدا ہوئے:

(A) 1931ء میں (B) 1930ء میں (C) 1932ء میں (D) 1927ء میں

2- پڑوسیوں کا باہمی رشتہ ہوتا ہے:

(A) سگوں جیسا (B) تکلّف کا (C) مروّت کا (D) بیگانوں کا

3- سانپ رہتا تھا:

(A) بِل میں (B) درخت کی کھوہ میں (C) غار میں (D) گھر میں

4- سانپ نے کبوتر اور گدھ کی دوستی قبول کر لی:

(A) فوراً (B) سوچ بچار کے بعد (C) خوشی خوشی (D) جھجکتے جھجکتے

5- شکاری نے آگ جلائی:

(A) ایک بار (B) دو بار (C) تین بار (D) چار بار

6- کبوتر اور کبوتری آگ بجھانے کے لیے پروں میں پانی لائے: (بورڈ 2017ء)

(A) نہر سے (B) دریا سے (C) کنویں سے (D) جھیل سے

7- سانپ سے مدد لینے کے بارے میں مشورہ دیا:

(A) کبوتر نے (B) کبوتری نے (C) گدھ نے (D) مادہ گدھ نے

8- گدھ کبوتر کی مصیبت سن کر مدد کے لیے تیار ہو گیا:

(A) فوراً (B) سوچ بچار کے بعد (C) بحث و تکرار کے بعد (D) B اور C دونوں

9- سانپ پھنکار رہا تھا:

(A) شکاری کے سرہانے (B) درخت سے لپٹ کر (C) زمین پر (D) گھونسلے کے پاس

10- امن اور دوستی کے پیغام کے لیے استعمال ہوتے ہیں:

(A) فاختہ (B) کبوتر (C) طوطے (D) مینا

11- دوستی کا پھل کہانی لکھی ہے:

(A) شفیع عقیل نے (B) ہاجرہ مسرور نے (C) سلمان ندوی نے (D) احمد ندیم قاسمی نے

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

12- براوقت کسی کو بتا کر نہیں آتا۔ یہ جملہ کہا:

(A) کبوتر نے (B) کبوتری نے (C) گدھ نے (D) سانپ نے

13- کبوتر اور کبوتری رہتے تھے:

(A) جنگل میں (B) صحرا میں (C) مسجد کے گنبد پر (D) چٹانوں میں

14- کبوتری نے کمی محسوس کی:

(A) دوستوں کی (B) سنگی ساتھی کی (C) رشتہ داروں کی (D) اپنوں کی

15- کبوتری فکرمند رہنے لگی:

(A) جب اس نے انڈے دیے (B) بچے نکلنے پر (C) شکاری آنے پر (D) جنگل میں رہنے پر

16- کبوتر اور گدھ پانی بھر کر لائے:

(A) پروں میں (B) چونچ میں (C) برتن میں (D) پنجوں میں

17- ''دوستی کا پھل'' صنف ادب ہے:

(A) داستان (B) ناول (C) لوک داستان (D) افسانہ

18- پڑوسیوں کے درمیان تعلقات ہونے چاہئیں:

(A) دوستانہ (B) خلوص و اعتماد کے (C) بیگانوں جیسے (D) دشمنوں جیسے

19- شکاری درخت پر نہ چڑھ سکا:

(A) اندھیرا ہونے کی وجہ سے (B) ڈر کی وجہ سے

(C) سردی کی وجہ سے (D) اسے درخت پر چڑھنا نہیں آتا تھا

20۔ کبوتر، گدھ اور سانپ میں قدر مشترک تھی:

(A) دوستی (B) دشمنی (C) جنس (D) نسل

21۔ شکاری کا کردار علامت ہے:

(A) دوستی کی (B) لالچ کی (C) شکار کی (D) بیرونی خطرے کی

22۔ کبوتری کو کس بات کی فکر لگی رہتی تھی: (بورڈ 2018ء)

(A) جان کی (B) بچوں کی (C) انڈوں کی (D) طوفان کے آنے کی

23۔ شفیع عقیل فوت ہوئے:

(A) 2003ء (B) 2010ء (C) 2013ء (D) 2015ء

جوابات

B	-6	C	-5	B	-4	B	-3	A	-2	B	-1
B	-12	A	-11	B	-10	B	-9	A	8	B	-7
A	-18	C	-17	A	-16	A	-15	B	-14	A	-13
		C	-23	C	-22	D	21	A	20	A	-19

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

13

کیا واقعی دنیا گول ہے؟

(ابن انشا)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
دھرتی	زمین
دھرتی کا گز بننا	بہت زیادہ سفر میں رہنا
نادیدہ	نہ دیکھا ہوا، اَن دیکھا
اوندھا	اُلٹا
دانش مند	عقل مند
دمِ تحریر	لکھتے وقت، جب یہ تحریر لکھی جا رہی ہے
تھرِل	انگریزی کا لفظ Thrill ہے، جوش و جذبہ
تلمّذ	شاگردی
ٹنٹا	جھگڑا، فساد
خریطہ	تھیلی، وہ تھیلی جس میں سرکاری حکم جاتا ہے
بے غِل و غش	بے دریغ، اندھا دھند، محنت و تکلیف کے بغیر
امان	پناہ
اجمال	اختصار، مختصر سا ذکر
بحرِ ظلمات میں گھوڑے	بحرِ ظلمات سے مراد ہے بحر اوقیانوس۔ Atlantic Ocean۔ مشہور سپہ سالار عقبیٰ بن نافع مراکش کی فتح کے بعد آگے بڑھا تو سامنے یہی سمندر تھا اس نے اللہ کا نام لے کر سمندر میں گھوڑے ڈال دیے اور کہا کہ اگر سمندر نہ ہوتا تو آگے بڑھتا رہتا۔ ایک روایت کے مطابق اس کا گھوڑا پانی پر ایسے چل رہا تھا جیسے زمین پر۔
سند باد جہازی	الف لیلوی داستانوں کا مشہور جہاز ران جس نے بحری اسفار اور نئے جزیروں کی دریافت کی بدولت شہرت پائی۔
حاتم طائی	قبیلہ طے کا مشہور شخص جس کی سخاوت ضرب المثل ہے۔ الف لیلوی داستانوں میں اس سے فرضی کہانیاں منسوب ہیں۔
منیر شامی	سلطنت خوارزم کا شہزادہ جو خراسان کے سوداگر برزخ کی بیٹی حسن بانو کا عاشق تھا۔

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

حسن بانو کے سوال	(۱) ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی طلب ہے۔(۲) نیکی کر دریا میں ڈال۔ (۳) بدی کا انجام بدی۔ (۴) سچ میں برکت ہے۔ (۵) کوہِ ندا کی خبر لاؤ۔ (۶) مرغابی کے انڈے کے برابر موتی کا جوڑا ڈھونڈ لاؤ۔ (۷) حمام بادگر کیا ہے۔حاتم طائی نے ان پہیلیوں کے لیے منیر شامی کی مدد کی۔
کوہِ ندا	آوازوں والی پہاڑی۔شہزادی حسن بانو کا پانچواں سوال۔ بلند فصیلوں والے قلعے کے اندر سے یا اخی کی آواز آتی۔ جو اس جانب بڑھتا پتھر کا ہو جاتا۔ دریاؤں کے پانی کو چھونے سے ہاتھ چاندی کا ہو جاتا، پینے سے دانت سونے کے ہو جاتے۔اسی پہاڑی وادی کے ایک اور چشمے کے پانی سے انسان اصل حالت میں واپس آ جاتا۔
پیرِ تسمہ پا	الف لیلوی داستانوں کا کردار جو کندھوں پر بیٹھ کر پیچھا نہ چھوڑتا۔ مراد ہے پیچھا نہ چھوڑنے والا شخص۔
داستانِ امیر حمزہ	بنو عباس کے دور کا مشہور دلیر انسان امیر حمزہ بن ازرک جو الف لیلوی داستانوں میں موجود ہے۔

خلاصہ: (بورڈ 2011)

شیر محمد خان المعروف ابنِ انشا مشہور شاعر اور سفر نامہ نگار تھے۔سبق "کیا واقعی دنیا گول ہے" ان کے سفر نامے "دنیا گول ہے" سے لیا گیا ہے جس میں چند ممالک کے سفر، قومی کسالت اور ڈاکٹر کی ڈگری کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

ہم پوری دنیا گھوم آئے کہا جاتا ہے کہ دنیا گول ہے لیکن ہمیں تو یہ ہر جگہ چپٹی ہی دکھائی دی اس سے زیادہ تو ہم خود گول ہو گئے ہیں۔ کہ پیکنگ سے پیرس، کوپن ہیگن، کولمبو اور جکارتا وغیرہ کی طرف لڑھکتے چلے گئے۔زمین کی گولائی سے گر پڑنے کا بھی اندیشہ ہے کیوں کہ ہم چھپکلی تو ہیں نہیں۔ہم دنیا کے گول ہونے کا ثبوت تلاش کرنے اسی طرح نکلے جیسے حاتم طائی منیر شامی کی محبوبہ کی فرمائش پر انڈے کے برابر موتی اور کوہِ ندا کی جستجو میں نکلا تھا۔لیکن ہم اس کی نسبت بہت تیز رفتاری سے مسافت طے کر رہے تھے۔ کہ صبح کراچی میں تھے تو دوپہر کو ڈھاکے میں۔رات بنکاک میں اور یہ تحریر لکھتے ہوئے سنگاپور میں اور ان سطور کے شائع ہونے تک نہ معلوم عشقِ بلا خیز کا قافلہ سفر کے کس مرحلے میں ہوگا۔

ہمیں ایسے لوگوں پر رشک آتا ہے جو صبح گوجرانوالہ بھی جائیں تو شام کو گھر لوٹ آتے ہیں۔ململ کا کرتا زیب تن کیے قوام والا پان منہ میں رکھے آرام سے بیٹھ کر داستانِ امیر حمزہ سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور لمبی تان کر سوتے ہیں۔ پاسپورٹ، ویزا، فارن کرنسی، ہوائی جہاز کے ٹکٹ کنفرم کرانے کے جھنجھٹ سے بے نیاز۔اجنبی دیسوں میں طرح طرح کے خطرات کا سامنا کرنے کی پریشانی کہ وہاں نوکر اور قلی کی سہولت بھی میسر نہیں ہوتی اپنا سامان ہی نہیں ناز نخرہ بھی خود اٹھانا پڑتا ہے۔

کراچی یونی ورسٹی والو! تم نے ہمیں ڈائریکٹ کی ڈگری نہ دی اس کے باوجود ہم ڈاکٹر ہو گئے ہیں لوگ بات بات پر ہمیں ڈاکٹر انشا کہتے ہیں ہمارے وفد میں شامل ترک اور ایرانی سبھی ڈاکٹر ہیں۔ ہمارے ساتھ فضل الباری صاحب ہیں جو پاکستان کے وزیرِ صحت ہیں یعنی ڈاکٹروں کے ڈاکٹر۔بس ہم تھے اور اپوا کی سیکرٹری وجیہہ ہاشمی، تو ہم نے آپس میں طے کر لیا کہ ایک دوسرے کو ڈاکٹر کہہ کر مخاطب کریں گے۔ وجیہہ ہاشمی کو تو بے شمار طبّی نسخے یاد تھے البتہ ہم میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے علم و ادب کے ڈاکٹر بن جاتے اور دانش وروں کے سامنے میڈیکل ڈاکٹر اور اگر کوئی دونوں شعبوں کا بھیدی ہو تو ہومیوپیتھی کے دامن میں پناہ لیتے ہیں بلکہ ایک بار تو دانتوں کا ڈاکٹر بھی بننا پڑا۔اس لیے ہم اور وجیہہ ہاشمی جب واپس پاکستان آئیں تو ہمیں باقاعدہ ڈاکٹر کہہ کر بلایا جائے کہ جب دوسرے ممالک کے لوگوں نے ہمیں باقاعدہ ڈاکٹر مان لیا ہے تو اپنے ہم وطنوں کو بھلا کیا اعتراض ہے۔ (دنیا گول ہے)

.....

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''ہم اس دھرتی کا گز بنے اور بحرِ ظلمات میں گھوڑے دوڑا آئے لیکن ہمیں تو ہر چیز چپٹی ہی نظر آئی۔ دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں کہ پیکنگ سے لڑھکے تو پیرس پہنچ گئے اور کوپن ہیگن سے پھسلے تو کولمبو میں آ کر رُکے بلکہ جاکرتا پہنچ کر دم لیا۔ دنیا کے گول ہونے پر اصرار کرنے والوں کا کہنا ہے کہ یقین نہ ہو تو مشرق کی طرف سے جاؤ، چکر کاٹ کر مغرب کی طرف پھر اپنے تھان پر آ کر کھڑے ہو گے۔ اس میں ہمیں ہمیشہ ایک بدیہی خطرہ نظر آیا کہ کہیں گولائی کی طرف رینگتے ہوئے نیچے نہ گر پڑیں کیوں کہ ہم کوئی چھپکلی تھوڑا ہی ہیں۔''

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: کیا واقعی دنیا گول ہے؟

مصنف کا نام: ابنِ انشا

سیاق وسباق:

ابنِ انشا نے بیشتر ممالک کا سفر کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ملک در ملک اور شہر در شہر اس بات کو سچ ثابت کرنے کے لیے گھومتا پھرتا رہا کہ کیا واقعی دنیا گول ہے؟ اس ساری سیر و سیاحت کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ دنیا سے زیادہ ہم گول ہیں۔ مشرق و مغرب کے بیشتر ممالک کی سیر کے بعد سنگاپور میں بیٹھ کر یہ سفر نامہ لکھنے لگے تو تھکاوٹ کی وجہ سے ان لوگوں پر رشک آنے لگا جو سفر کرنے کے عادی نہیں ہیں۔ اس سفر میں وہ اکیلے نہ تھے بلکہ پاکستان، ترکی اور ایران کے باشندے بھی ساتھ تھے جن میں اکثر و بیشتر ڈاکٹر تھے لیکن ڈاکٹریٹ کی ڈگری ان کے پاس نہیں ہے، البتہ ایک دوسرے کو ڈاکٹر کہنے کی وجہ سے غیر ملکی لوگ بھی انھیں ڈاکٹر ہی کہنے لگے۔ ابنِ انشا امید کرتے ہیں کہ ہمارے ہم وطن بھی ہمیں ڈاکٹر کہہ کر پکاریں گے۔

تشریح: شیر محمد خان المعروف ابنِ انشا مشہور شاعر اور سفر نامہ نگار تھے۔ سبق کیا واقعی دنیا گول ہے ان کے سفر نامے دنیا گول ہے سے لیا گیا ہے جس میں چند ممالک کے سفر، قومی کسالت اور ڈاکٹر کی ڈگری کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ انسان فطرتاً یکسانیت سے بیزار ہو جاتا ہے۔ نت نئے تجربات اور نئی نویلی چیزوں کو دریافت کرنا ہر انسان کو اچھا لگتا ہے۔ تلاش و جستجو کے اس جذبے کی تسکین کی خاطر لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے ہیں۔ ایک عام آدمی سفری تجربات کو نظر انداز کر دیتا ہے جب کہ ادیب لوگ ان سفری صعوبتوں اور یادوں کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ ابنِ انشا کا موقف ہے کہ اس بات کا کھوج لگانے کے لیے کہ کیا واقعی دنیا گول ہے؟ پوری دنیا کو کھنگال مارا۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ زمین کا چپہ چپہ ناپنے لگے حتیٰ کہ بحرِ ظلمات میں بھی گھوڑے دوڑا دیے۔ مصنف نے بحرِ ظلمات کا ذکر کرتے ہی مسلمانوں کی اس روایت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب انھوں نے بلا خوف و خطر بحر اوقیانوس کے پانیوں میں اپنے گھوڑے ڈال دیے تھے۔ یہ بحر اوقیانوس دنیا کا دوسرا بڑا سمندر ہے جس کا رقبہ تقریباً 830000 مربع میل ہے۔ بحر منجمد شمالی سے جنوبی تک امریکہ، یورپ اور افریقہ کے درمیان S کی شکل میں پھیلا ہوا ہے۔ دنیا میں سب سے زیادہ جہاز رانی اسی سمندر میں ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے اس سمندر میں تجارتی، عسکری اور سیاحتی سفر کیے۔ ابنِ انشا کہتے ہیں میں نے پیکنگ، پیرس، کوپن ہیگن، کولمبو، جاکرتا، بنکاک یا سنگاپور کی سیر کی، دور دراز کے ممالک میں سیاحت بھی کی لیکن ہر جگہ پہنچ کر سائنس دانوں کی یہ بات مجھے غلط معلوم ہوئی کہ دنیا گول ہے ہمیں تو ہر جگہ چپٹی ہی نظر آئی دنیا سے زیادہ تو ہم خود گول ہیں۔ وہ سائنس دان جو اس بات کا دعویٰ کرتے ہیں کہ دنیا گول ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ مشرق کی طرف جایئے آپ مغرب کی طرف ہی آنکلیں گے۔ مراد یہ کہ مشرقی ممالک اور مغربی ممالک کا دورہ کیجیے، آپ کہیں بھی جائیں گے لوٹ کر اپنے اس تھان پر آ کر کھڑے ہوں گے۔ اب یہی دنیا کی گواہی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ دنیا کی گولائی کا کھوج لگانے میں

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

ایک ڈر ہے وہ یہ کہ اگر واقعی دنیا گول ہے اور ہم اس مفروضے کو حقیقت کا روپ دینے کے لیے گھر سے نکلیں تو ہم چھپکلی تو نہیں جو گولائی کے ساتھ چمٹ جاتی ہے اور گرتی نہیں ہے۔ ہم تو انسان ہیں۔ ہمیں اندیشہ ہے کہ ہم گولائی سے کہیں پھسل کر گر نہ پڑیں۔

ایک عام انسان کے مشاہدے اور سائنس دان کے علم میں فرق یہ ہے کہ عام آدمی ظاہری چیزوں کو دیکھتا ہے۔ اس کی معلومات محدود ہوتی ہیں۔ اسے یہ سمجھانا آسان نہیں کہ گیند کی مانند کسی چیز پر آپ کیسے ہر سمت گھوم سکتے ہیں۔ عام آدمی یہی خیال کرتا ہے کہ اگر زمین گول ہوتی تو ساری دنیا کا چکر کاٹنا ممکن نہ ہوتا بلکہ اگر کوئی انسان یہ کوشش کرے تو اس کے خلا میں گر جانے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اس کے برعکس سائنسی آلات کی مدد سے زمین کی تصاویر اس کی گولائی کو ثابت کرتی ہیں۔ ابن انشا کا کمال یہ ہے کہ وہ مزاح و ظرافت لکھتے ہوئے اپنے آپ کو ایک تماشائی کے طور پر نہیں رکھتے بلکہ اپنے آپ کو ایک عام آدمی کے طور پر اس طرح پیش کرتے ہیں کہ پڑھنے یا سننے والا مسکرا اٹھے اور یہ کام سب سے مشکل ہوتا ہے کہ دوسروں کو خود پر ہنسنے کا موقع دیا جائے۔

.....

اقتباس: ''رشک آتا ہے کہ دنیا میں ایسے بھی لوگ ہیں کہ کبھی قیدِ مقام سے نہیں گزرتے۔ گوجرانوالہ تک گئے بھی تو دوسرے روز گھر لوٹ آئے۔ ہم سے پوچھیے جو مزا اور تھرل ململ کا کرتا پہن، قوام والا پان کلّے میں دبا، ٹانگ پر ٹانگ دھرے گھر میں ''داستانِ امیر حمزہ'' پڑھنے اور لمبی تان کر سونے میں ہے وہ جگہ جگہ مارے مارے پھرنے میں کہاں، قیام کی راحتیں اور برکتیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ نہ پاسپورٹ کی فکر نہ ویزا کے لیے بھاگ دوڑ۔ نہ فارن ایکسچینج کا ٹنٹا، نہ ہوائی کمپنیوں کے دفتروں کے پھیرے کہ بھائی ایک سواری ہم بھی ہیں۔ بٹھالو۔ ہمیں کہیں چندے قیام کا تجربہ ہو تو ایسا زبردست قیام نامہ لکھیں کہ لوگ حریفوں کے سفرناموں کو بھول جائیں۔'' (بورڈ 2012)

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: کیا واقعی دنیا گول ہے؟

مصنف کا نام: ابنِ انشا

سیاق وسباق:

اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: شیر محمد خان المعروف ابنِ انشا مشہور شاعر اور سفرنامہ نگار تھے۔ سبق ''کیا واقعی دنیا گول ہے'' ان کے سفرنامے ''دنیا گول ہے'' سے لیا گیا ہے جس میں چند ممالک کے سفر، قومی کسالت اور ڈاکٹر کی ڈگری کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف کہتے ہیں کہ تلاش و جستجو کے جذبے کی تسکین کی خاطر انسان بعض اوقات سیاحت کا سہارا لیتا ہے۔ ان دیکھے مقامات پر پہنچ کر وہ اپنی تھکاوٹ کو بھلا دیتا ہے۔ لیکن اگر کسی فرد کو مسلسل سفر کرنا پڑے تو اس کے دل میں یہ خواہش بھی پیدا ہو سکتی ہے کہ کاش کبھی آرام و سکون سے تھوڑا عرصہ اپنے گھر اپنی سرزمین پر قیام کرنے کا موقع ملے۔ انسان ان لوگوں کو رشک کی نگاہ سے دیکھتا ہے جو اپنے آپ کو بے جا تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے۔ کیوں کہ ابن انشا کے موقف کے مطابق جو لطف ململ کا کرتا پہنے، شیرے والا پان جبڑے میں دبائے، ٹانگ پر ٹانگ دھرے گھر میں ''داستانِ امیر حمزہ'' کا مطالعہ کرنے اور گھوڑے بیچ کر سونے میں ہے وہ در در کی خاک چھاننے اور اِدھر اُدھر گھومنے میں کہاں ہے۔ انسان جب گھر میں اپنے خاندان کے ساتھ رہ رہا ہو تو ایسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر آسائش اسے میسر ہے۔ مصنف نے جس داستان امیر حمزہ کا ذکر کیا ہے یہ سیستان کے علاقے کی داستان بنو عباس کے زمانے کے ایک جری انسان امیر حمزہ بن ارزک کی ہے۔ داستان کے اکثر کردار عرب و ایران سے تعلق رکھتے ہیں مگر معاشرتی فضا سراسر ہندوستانی ہے۔ سب سے اہم اور دل چسپ کردار عمرو عیار کا ہے اور اس کے چیلے ہیں جو لکھنؤ کے بانکوں کی طرح کی اپنی شرارتوں اور حیرت انگیز کارناموں کے باعث داستان کی جان ہیں۔ ململ کا کرتا، قوام والا پان، گھوڑے بیچ

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

کرسونا اور داستانِ امیر حمزہ، یہ تصویر برصغیر میں مسلمانوں کے عہدِ زوال کی تصویر ہے۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل "داستان امیر حمزہ" میں اس عہد کی محرومیوں اور نارسائیوں کی بالواسطہ عکاسی ملتی ہے کہ جب مسلمان عملی زندگی میں کچھ کرنے کے قابل نہ تھے اس کی تلافی داستان کے بہادر اور جری کرداروں کے ذریعے کر رہے تھے جو ہر ناممکن کو ممکن بنانے کی قدرت رکھتے تھے۔ جن کے لیے کوئی مشکل، مشکل نہ تھی۔ یہ گویا جاگنے کی حالت میں خواب دیکھنے کے مترادف تھا۔ ابنِ انشا کا موقف یہ ہے کہ جو گھر میں ایک جگہ بیٹھ کر مطالعہ کرنے کا مزا ہے وہ بیان نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ اس کے لیے نہ پاسپورٹ کے حصول کی فکر، نہ ویزے کا سیاپا، نہ زرِ مبادلہ تبدیل کرانے کا ٹنٹا اور نہ ہی ہوائی کمپنی کے باشندوں کی منتیں کرنے کی ضرورت کہ صاحب ہمیں ایک سیٹ دے دیجیے، ہم اکیلے ہیں اور ہمیں بھی شریکِ سفر کر لو۔ ماضی میں پاسپورٹ کا حصول آسان نہ تھا کیوں کہ پاسپورٹ کے اجرا کے لیے پولیس کے محکمے سے اجازت نامہ لینا ضروری تھا۔ اسی طرح زرِ مبادلہ کا حصول بھی آسان نہ تھا۔ فقط سٹیٹ بنک ہی سے زرِ مبادلہ حاصل کیا جا سکتا تھا۔ پھر ہوائی کمپنیاں بھی زیادہ نہ تھیں۔ اس لیے سیاح کو ہوائی کمپنیوں کے دفاتر کے متعدد چکر لگانے پڑتے۔ ظاہر ہے یہ مشکلات بعض اوقات انسان کو سفر سے بددل کر دیتی ہیں۔ ایک حدیث میں بھی سفر کی مشکلات کا تذکرہ ملتا ہے۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

''سفر عذاب کا ٹکڑا ہے''۔

ابنِ انشا کا موقف یہ ہے کہ اگر آپ کو یہ سہولت میسر ہو کہ اپنے گھر اور اپنی سرزمین پر رہ سکیں تو پھر سفر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ایک جگہ پر قیام کی اہمیت واضح کرنے کے لیے ابن انشا کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ عرصہ ایک جگہ قیام کا موقع مل جائے تو ہم ایسا قیام نامہ لکھیں کہ لوگ دوسروں کے سفرناموں کو بھول جائیں۔ حالاں کہ انسانی فطرت یہ ہے کہ انسان نئے نئے مقامات دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔ ایک ہی جگہ مقیم فرد کے حالات سے اسے کوئی دل چسپی نہیں ہو سکتی لیکن ابن انشا تعلّی سے کام لیتے ہیں کہ ہمارا اسلوب، ہماری تحریر اتنی دل چسپ ہے کہ ہمارا قیام نامہ دوسروں کے سفرناموں سے بہتر قرار پائے گا۔

دوسرے رُخ سے دیکھیں تو قوم کی مجموعی سستی اور کسالت کو ہدفِ تنقید بنایا گیا ہے۔ سفر وسیلۂ ظفر ہے اور ہماری قوم سفر سے گریزاں ہے۔ رہ گزر میں نہیں قیدِ مقام میں ہے۔ کاش یہ بھی سستی دور کر کے دیگر اقوام کی طرح اسفار کے ثمرات سمیٹ سکتی۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1- ''کیا واقعی دنیا گول ہے'' کے مصنف ہیں: (بورڈ 2019ء)

(A) پطرس بخاری (B) ابنِ انشا (C) مشتاق احمد یوسفی (D) کرنل محمد خان

2- مصنف نے کس شہر میں جا کر دم لیا:

(A) پیکنگ (B) کوپن ہیگن (C) جاکرتا (D) کولمبو

3- تیل لینے کے لیے جانے والے لڑکا ہاتھ میں لے کر گیا:

(A) پیالا (B) گلاس (C) پلیٹ (D) کٹورا

4- جب ابنِ انشا مضمون لکھ رہے تھے تو وہ کس شہر میں تھے:

(A) بنکاک (B) کولمبو (C) سنگاپور (D) کراچی

5- دنیا کی سیر میں مصنف کو ہر چیز نظر آئی:

(A) گول (B) چپٹی (C) چوکور (D) بیضوی

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

6- زمین کی گولائی کی طرف رینگتے ہوئے مصنف کو ہمیشہ خطرہ نظر آیا:

(A) نیچے نہ گر پڑیں (B) راستہ نہ بھول جائیں (C) گم نہ ہو جائیں (D) واپس نہ آ جائیں

7- لڑکا تیل لینے گیا تھا:

(A) ایک سیر (B) آدھ سیر (C) تین پاؤ (D) دو سیر

8- مصنف دنیا کے گول ہونے کا ثبوت لینے گھر سے نکلے:

(A) سندباد کی طرح (B) حاتم طائی کی طرح (C) منیر شامی کی طرح (D) درویش کی طرح

9- منیر شامی کی محبوبہ نے فرمائش کی:

(A) انڈے کے برابر موتی کی (B) گیند کے برابر موتی کی (C) آنسو کے برابر موتی کی (D) سرخ موتی کی

10- ابنِ انشا کو رشک آتا ہے:

(A) سیاحوں پر (B) درویشوں پر (C) جو قیدِ مقام سے نہیں گزرتے (D) نیک لوگوں پر

11- ابنِ انشا ناظرین کو مشورہ دیتے ہیں:

(A) سیر کرنے کا (B) سفر نہ کرنے کا (C) گھر بیٹھنے کا (D) کھانے پینے کا

12- فضل باری تھے:

(A) وزیرِ صحت (B) وزیرِ سیاحت (C) وزیرِ تعلیم (D) وزیرِ قانون

13- ابنِ انشا سفرنامے کے مقابلے پر لکھنا چاہتے تھے:

(A) افسانہ (B) ناول (C) قیام نامہ (D) داستان

14- ''کیا واقعی دنیا گول ہے'' مصنف کے سفرنامے سے لیا گیا ہے:

(A) ابنِ بطوطہ کے تعاقب میں (B) دنیا گول ہے (C) خمارِ گندم (D) اردو کی آخری کتاب

15- ابنِ انشا دھرتی کا گز بنے اور گھوڑے دوڑا آئے:

(A) صحرا میں (B) بحرِ ظلمات میں (C) بحرالکاہل میں (D) خلیج بنگال میں

16- ابنِ انشا نے رینگنے کے حوالے سے ذکر کیا ہے:

(A) سانپ (B) کیچوا (C) چھپکلی (D) کاکروچ

17- ابنِ انشا نے کس داستانوی شہزادی کا ذکر سندباد کے ساتھ کیا ہے:

(A) شہزادی مہر افروز (B) شہزادی حُسن بانو (C) شہزادی نیلم پری (D) حُسنا پری

18- ابنِ انشا پیدا ہوئے:

(A) 1937ء میں (B) 1927ء میں (C) 1932ء میں (D) 1931ء میں

19- ابنِ انشا کا انتقال ہوا:

(A) 1978ء میں (B) 1980ء میں (C) 1981ء میں (D) 1982ء میں

20- ابنِ انشا صبح کے وقت کہاں تھے:

(A) کراچی (B) ڈھاکہ (C) بنکاک (D) سنگاپور

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

21- ابنِ انشا دوپہر کے وقت کہاں تھے:
(A) کراچی (B) ڈھاکہ (C) بنکاک (D) سنگاپور

22- ابنِ انشا نے رات گزاری:
(A) کراچی میں (B) ڈھاکہ میں (C) بنکاک میں (D) سنگاپور میں

23- بیگم وجیہہ ہاشمی رہنے والی تھیں:
(A) کراچی کی (B) اسلام آباد کی (C) لاہور کی (D) فیصل آباد کی

24- ابنِ انشا کو ڈاکٹریٹ کے خریطے سے نوازا:
(A) کراچی یونی ورسٹی والوں نے (B) فضل باری نے (C) بیگم وجیہہ ہاشمی نے (D) اقوام متحدہ نے

25- بیگم وجیہہ ہاشمی انٹرنیشنل سیکرٹری تھیں:
(A) اپوا کی (B) یونیسکو کی (C) اقوام متحدہ کی (D) یونیسف کی

26- دانتوں کا ڈاکٹر بن کے ابنِ انشا کو کس کی بتائی ہوئی اصطلاحیں کام آئیں:
(A) ڈاکٹر طیب محمود کی (B) فضل باری کی (C) بیگم وجیہہ ہاشمی کی (D) اقوام متحدہ کی

27- ابنِ انشا کے ساتھی تھے:
(A) ایرانی (B) ترک (C) الف اور ب دونوں (D) انگریز

28- ابنِ انشا کو میڈیکل ڈاکٹروں کے سامنے بننا پڑا:
(A) علم وادب کا ڈاکٹر (B) دانتوں کا ڈاکٹر (C) ہومیوپیتھی ڈاکٹر (D) ان میں سے کوئی نہیں

29- ابنِ انشا کس یونی ورسٹی والوں سے مخاطب ہوئے:
(A) کراچی یونی ورسٹی (B) پنجاب یونی ورسٹی (C) پشاور یونی ورسٹی (D) ترک یونی ورسٹی

30- فضل الباری کون تھے؟ (بورڈ 2019ء)
(A) وزیر تعلیم (B) وزیر خزانہ (C) وزیر خارجہ (D) وزیر صحت

جوابات

A	-6	B	-5	C	-4	D	-3	C	-2	B	-1
A	-12	B	-11	C	-10	A	-9	B	-8	B	-7
B	-18	A	-17	C	-16	B	-15	B	-14	C	-13
C	-24	B	-23	C	-22	B	-21	A	-20	A	-19
D	-30	A	-29	A	-28	C	-27	A	-26	A	-25

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

14

اور آنا گھر میں مرغیوں کا

(مشتاق احمد یوسفی)

مشکل الفاظ وتراکیب کی تفہیم

الفاظ	مفہوم
راسخ عقیدہ	پختہ عقیدہ، پکا یقین
ایثار	قربانی
پھوہڑ	جسے کوئی تمیز نہ ہو، بے سلیقہ
مفقود ہونا	بالکل نہ ہونا
نیم برشت	آدھا تلا ہوا، پوری طرح نہ تلا ہوا، (Half Fried)
ردوقدح	بحث مباحثہ، تکرار
ماحصل	خلاصہ، لب لباب
مرغ بانی	مرغیاں پالنا
قنوطی	زندگی کا تاریک پہلو دیکھنے والا، مایوس، ہر طرح سے ناامید
قنوطیت	زندگی کا تاریک پہلو ہی دیکھنا، مایوسی، ناامیدی
ناحق	بلاوجہ
سادہ لوحی	سادگی
آسن	گھوڑے پر بیٹھنے کا طریقہ
مہاوت	فیل بان
داشت	دیکھ بھال، نگرانی
جبلی	فطری
سحر خیزی	صبح سویرے نیند سے جاگ جانا
درشتی سے	سختی سے، سخت لہجے میں
ورود ونزول	وارد ہونا، پہنچنا، آمد

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

یونیک نوٹس

ناقابلِ تردید	جسے رد نہ کیا جا سکے
ازراہِ تلطف	مہربانی کر کے
آلامِ دنیوی	دنیا کے دکھ، دنیا کی تکالیف

(بورڈ 2007-09-10-12,16,17,18)

خلاصہ:

مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار تھے۔ سبق ''اور آنا گھر میں مرغیوں کا'' ان کا ایک مزاحیہ مضمون ہے جس میں مرغیوں کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

میں اپنے گھر میں مرغیاں نہیں رکھنا چاہتا کیوں کہ میرا پختہ ایمان ہے کہ ان کا صحیح مقام پیٹ اور پلیٹ ہے۔ اس لیے ہمارے ہاں کوئی مرغی اپنی فطری عمر پوری نہیں کر پاتی۔ مرزا صاحب کہنے لگے کہ انسان کو فقط روٹی ہی نہیں بلکہ مرغ کھانے کی بھی خواہش ہوتی ہے اور پھر مرغیوں کے انڈے بھی بہت کام آتے ہیں۔ تازہ خود کھایئے، خراب ہو جائیں تو ہوٹل والوں کو سیاسی جلسوں کے لیے دگنے داموں بیچیے ان کی نسل بھی بہت تیزی سے بڑھتی ہے۔ آپ دس مرغیوں سے مرغبانی کا آغاز کیجیے۔ چند ہی برسوں میں ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ جائے گی اور ان کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کنکر، پتھر، کیڑے مکوڑے چُگ کر اپنا پیٹ بھر لیتے ہیں۔ میں نے اپنے دوست سے کہا کہ اگر مرغیاں پالنا اس قدر نفع بخش اور آسان کام ہے تو آپ اپنی مرغیاں مجھے کیوں دینا چاہتے ہیں؟ کہنے لگے کہ میرا مکان بہت چھوٹا ہے۔ آدھے میں ہم رہتے ہیں اور آدھے میں مرغیاں رہتی ہیں۔ اب میرے کچھ رشتہ دار میرے پاس چھٹیاں گزارنے آ رہے ہیں اس لیے آپ کو دینا چاہتا ہوں۔ لہٰذا اگلے ہی دن ان کے گھر میں مہمان اور ہمارے گھر میں مرغیاں آ گئیں۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ جس طرح گھوڑا، ہاتھی اور کتا اپنے اپنے مالک کو پہچانتے ہیں اسی طرح شاید مرغیاں بھی پہچانتی ہوں گی لیکن اس مخلوق کو جتنا لاڈ سے پالیں یہ کبھی آپ سے مانوس نہیں ہوں گی۔

پڑھے لکھے بالعموم اور اردو شعرا بالخصوص اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ مرغ صرف صبح اذان دیتے ہیں اور اگر مرغ اذان نہ دے تو پَو نہیں پھٹتی، مگر میرے اٹھارہ مہینے کے تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ مرغ صرف اس وقت اذان دیتا ہے جب اللہ کے گناہ گار بندے سو رہے ہوتے ہیں۔ مرغ کی آواز اس کی جسامت سے سوگنا زیادہ ہوتی ہے۔ اگر گھوڑے کی آواز بھی اسی تناسب سے بنائی گئی ہوتی تو تاریخی جنگوں میں توپ چلانے کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ ایک دن تیز بارش میں بھیگا ہوا گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین مرغ میرے پلنگ پر موجود ہیں اور ساری چادر پر ان کے پنجوں کے نشان لگے ہوئے ہیں۔ میں نے بیگم سے غصے میں کہا کہ بس اب اس گھر میں یا یہ رہیں گے یا میں۔ وہ بیچاری پریشان ہو کر بولیں کہ برستی بارش میں آپ کہاں جائیں گے؟

مرغیوں کو آپ خواہ کتنی ہی عمدہ خوراک کھلائیں مگر انھیں کیڑے مکوڑے، جھینگر، بھنگے، چیونٹے اور کینچوے کھانے سے باز نہیں رکھ سکتے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اثرات انڈے پر لازمی ہوتے ہوں گے۔ شاید اسی لیے بعض نفاست پسند والیانِ ریاست یہ اہتمام کرتے تھے کہ جن بھینسوں کا دودھ ان کے دسترخوان پر آئے انھیں پستے اور بادام کھلائے جائیں تاکہ دودھ کا ذائقہ اور مہک بدل جائے۔

ایک اور غلط فہمی عام ہے کہ مرغیاں دڑبے اور ٹاپے میں رہتی ہیں مگر میرا تجربہ یہ ہے کہ وہ دڑبے کے سوا ہر جگہ نظر آتی ہیں۔ کیوں کہ ہم نے کئی بار غسل خانے سے انڈے، کتابوں کی الماری میں سے چوزے اور لحاف سے کڑک مرغی نکلتے دیکھی ہے۔ تھوڑے ہی عرصے میں مرغیوں نے میرے گھر کو پولٹری فارم بنا کر رکھ دیا ہے اور وہ لوگ جو دنیا کے غم اور دکھوں سے پریشان ہیں انھیں میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ مرغیاں پال لیں۔ پھر انھیں ایسے ایسے مسائل کا سامنا ہوگا کہ انھیں اپنی گزشتہ زندگی جنت کا نمونہ معلوم ہوگی۔

(چراغ تلے)

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

پیراگراف کی تشریح

اقتباس: ''مہینوں ان کی نگہداشت اور سنبھال کیجیے۔ برسوں ہتھیلیوں پر چگایئے۔ لیکن کیا مجال کہ آپ سے ذرا بھی مانوس ہو جائیں۔ میرا مطلب یہ نہیں کہ میں یہ اُمید لگائے بیٹھا ہوں کہ میرے دہلیز پر قدم رکھتے ہی مُرغ سرکس کے طوطے کی مانند توپ چلا کر سلامی دیں گے یا چوزے میرے پاؤں میں وفادار کتے کی طرح لوٹیں گے، اور مرغیاں اپنے اپنے انڈے ''سپردم بتو مایۂ خویش را'' کہتی ہوئی مجھے سونپ کر اُلٹے قدموں واپس چلی جائیں گی۔ تاہم پالتو جانور سے خواہ وہ شرعاً حلال ہی کیوں نہ ہو، یہ توقع نہیں کی جاتی کہ وہ ہر چمکتی ہوئی چیز کو چھری سمجھ کر بدکنے لگے اور مہینوں کی پرورش و پرداخت کے باوجود محض اپنے جبلّی تعصُّب کی بنا پر ہر مسلمان کو اپنے خون کا پیاسا تصور کرے۔''

حوالۂ متن:۔

سبق کا عنوان: اور آنا گھر میں مرغیوں کا۔

مصنف کا نام: مشتاق احمد یوسفی

سیاق وسباق:

میں مرغیوں کو گھر میں رکھنے کے حق میں نہیں۔ میرے خیال میں مرغیوں کا اصل مقام پیٹ یا پلیٹ ہے۔ میرے ایک دوست نے جب مجبوری کی بنا پر میرے گھر مرغیاں بھیج دیں تو میرا خیال تھا کہ دوسرے جانوروں کی طرح مرغیاں بھی اپنے مالک سے مانوس ہو جاتی ہیں مگر مرغیوں کے گھر آنے سے یہ بات غلط ثابت ہوئی۔ عام لوگ یہ کہتے ہیں کہ مرغ جب تک اذان نہ دے پَو نہیں پھٹتی، میرا خیال یہ ہے کہ مرغ اس وقت اذان دیتا ہے جب آپ سو رہے ہوں۔ ان کو جتنی بھی اچھی سے اچھی غذا دیں یہ پھر بھی کیڑے مکوڑے اور غلیظ چیزیں کھانے سے باز نہیں آئیں گے۔ گھر میں ان کے لیے دو دڑبے مخصوص ہیں لیکن یہ دڑبوں کی بجائے گھر کی ہر جگہ نظر آئیں گی یا ان کے اثرات نظر آئیں گے۔ مرغیوں کے آنے سے گھر پولٹری فارم معلوم ہوتا ہے۔ پریشان لوگ اگر مرغیاں پال لیں تو ایسی مصیبتیں دیکھیں گے کہ سابقہ زندگی جنت معلوم ہوگی۔

تشریح: مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار تھے۔ سبق ''اور آنا گھر میں مرغیوں کا'' ان کا ایک مزاحیہ مضمون ہے جس میں مرغیوں کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے لطیف پیرائے میں مرغیوں کی فطرت کا تذکرہ کیا ہے۔ انسان اثباتِ ذات چاہتا ہے۔ اپنے ہونے کا احساس انسان کی انا کی تسکین کرتا ہے۔ انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے ہونے کا احساس کریں۔ اگر کسی انسان کو اپنے جیسے دوسرے انسانوں سے وقعت اور اہمیت حاصل نہیں ہوتی تو بعض اوقات وہ اس محرومی کی تلافی جانور پال کر کرتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی کا موقف ہے کہ انسان محبت کا بھوکا ہے اور اسی لیے جانور پالتا ہے۔ نظامِ قدرت ہے کہ انسان ہی انسان سے مانوس نہیں ہوتا، بلکہ جانور بھی انسان سے پیار کرنے لگتے ہیں۔ پالتو جانور اپنے مالک سے اس قدر پیار کرتا ہے کہ وہی جانور دوسروں کے لیے کتنا ہی خطرناک کیوں نہ ہو وہ اپنے مالک کو کچھ نہیں کہتا۔ گھوڑا، ہاتھی، کتا، بندر، سانپ تمام جانوروں کو اپنے مالک سے اُنس ہوتا ہے۔ مصنف کا جب مرغیوں سے پالا پڑا تو وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ تمام مخلوقات وفادار ہیں اور وہ اپنی وفاداری کا وقتاً فوقتاً ثبوت پیش کرتی ہیں لیکن مرغیاں ایسی واحد مخلوقِ الٰہی ہیں جو کبھی اپنے مالک سے وفاداری نہیں کرتیں۔ ان کی جتنی بھی دیکھ بھال کیجیے، سنبھال کر رکھیے، اپنے ہاتھوں سے ان کو قیمتی چیزیں کھلایئے، یہ مالک سے مانوس نہیں ہوتیں۔ دوسرے جانوروں سے آپ کوئی بھی اچھی امید لگا سکتے ہیں، مثلاً گھوڑا آپ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لا سکتا ہے، کتا رات کو گھر کی رکھوالی کر سکتا ہے، بندر عجیب وغریب کرتب دکھا سکتا ہے مگر مرغیوں کا آپ کی زندگی میں کردار نہ ہونے کے برابر ہے۔ مصنف کہتا ہے کہ میں مرغیوں سے یہ امید نہیں لگا کر بیٹھا کہ جب میں گھر آؤں تو دوسرے جانوروں کی طرح مرغیاں بھی میرا استقبال کریں، سرکس کے طوطے کی مانند توپ چلا کر

www.pakcity.org

www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

دکھائیں یا وفادار کتوں کی طرح میری قدم بوسی کریں۔ میں تو یہ بھی نہیں کہتا کہ مجھے روزانہ وہ یہی کہیں کہ میں اپنے انڈے جو میرے لیے قیمتی سرمایہ ہے، تمھارے سپرد کرتی ہوں اور نہایت ادب واحترام سے واپس چلی جائیں جیسے کوئی غلام دربار میں اپنا نذرانہ عقیدت پیش کر کے احتراماً واپس چلا جاتا ہے۔ عام قاعدہ ہے کہ پالتو جانور چھری یا چمکتی ہوئی چیز کو دیکھ کر بدکنے لگتے ہیں لیکن مرغیوں سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ کسی بھی چمک دار چیز کو چھری سمجھ لیں اور اس سے خوف زدہ ہو کر اپنی جان بچانے کی خاطر اِدھر اُدھر بھاگنے لگیں۔ رائج ضرب المثل یہ ہے ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اور عام طور پر یہ ضرب المثل اس وقت بولی جاتی ہے جب دیکھنے والے کسی کم تر چیز کو برتر چیز سمجھ لیں۔ مشتاق احمد یوسفی اس ضرب المثل کو مرغیوں کی نسبت سے تبدیل کرتے ہیں اور اس تخلیقی تبدیلی کے بعد جملہ یوں تشکیل پاتا ہے کہ مرغیاں ہر چمکتی ہوئی چیز کو چھری سمجھ کر بدکنے لگتی ہیں اور اس شخص سے جس نے مہینوں اس کی پرورش اور دیکھ بھال کی ہے، وقت پر دانہ دنکا دیا ہے اس کو محض اس وجہ سے اپنا دشمن سمجھ بیٹھیں کہ یہ مسلمان ہونے کے سبب کسی بھی وقت انھیں ذبح کر کے کھا جائے گا۔ ساتھ ہی مشتاق احمد یوسفی تعصب کا تذکرہ بھی کرتے ہیں کہ تعصب کی بھی کوئی ٹھوس وجہ نہیں ہوتی۔ چیزوں کو محض ظاہراً دیکھ کر لوگ تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ غور وفکر سے کام لیں۔ حقیقت تک ان کی رسائی ہو تو شاید معاشرے سے تعصّبات ختم ہو جائیں۔ جس طرح مرغیاں تعصب کی بنا پر کسی شخص کے پاس کوئی چمکتی ہوئی چیز دیکھ کر بدک جاتی ہیں اور تعصب کا مظاہرہ کرتی ہیں اس طرح روزمرہ زندگی میں ہمیں تعصّبات کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہیے۔

مشتاق احمد یوسفی نے نہایت شگفتہ اور دل چسپ انداز میں مرغیوں کو موضوع بنا کر گہرے مشاہدے اور تجزیے کے بعد اس کی عادات و خصائل کے ان پہلوؤں کو حیرت انگیز طور پر اجاگر کیا ہے جو ہر انسان کی نظر سے گزرتے ہیں مگر وہ اس کے تجربے اور علم کا حصہ نہیں بنتے۔

.....

اقتباس: ''ایک اور سنگین غلط فہمی جس میں خواص وعوام مبتلا ہیں اور جس کا ازالہ میں رفاہِ عام کے لیے نہایت ضروری خیال کرتا ہوں، یہ ہے کہ مُرغیاں دڑبے اور ٹاپے میں رہتی ہیں۔ میرے ڈیڑھ سال کے مختصر مگر بھرپور تجربے کا نچوڑ یہ ہے کہ مُرغیاں دڑبے کے سوا ہر جگہ نظر آتی ہیں اور جہاں نظر نہ آئیں وہاں اپنے ورود ونزول کا ناقابلِ تردید ثبوت چھوڑ جاتی ہیں۔ ان آنکھوں نے بارہا غسل خانے سے انڈے اور کتابوں کی الماری سے جیتے جاگتے چوزے نکلتے دیکھے۔ لحاف سے کڑک مرغی اور دڑبے سے شیو کی پیالی برآمد ہونا روزمرہ کا معمول ہو گیا اور یوں بھی ہوا کہ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی اور میں نے لپک کر ریسیور اٹھایا۔ مگر میرے ''ہیلو'' کہنے سے پیشتر ہی مرغ نے میرے ٹانگوں کے درمیان کھڑے ہو کر اذان دی اور جن صاحب نے ازراہ تلطف مجھے یاد فرمایا تھا انھوں نے ''سوری! رانگ نمبر!'' کہہ کر جھٹ فون بند کر دیا۔''

(بورڈ 2008-2011)

حوالہ متن:۔

سبق کا عنوان: اور آنا گھر میں مرغیوں کا

مصنف کا نام: مشتاق احمد یوسفی

سیاق وسباق:

اس اقتباس کے لیے اوپر دیا گیا سیاق وسباق موزوں ہے۔

تشریح: مشتاق احمد یوسفی اردو ادب کے ممتاز مزاح نگار تھے۔ سبق ''اور آنا گھر میں مرغیوں کا'' ان کا ایک مزاحیہ مضمون ہے جس میں مرغیوں کے حوالے سے مزاح نگاری کی گئی ہے۔

زیرِ تشریح نثر پارے میں مصنف نے لطیف پیرائے میں مرغیوں کی عادات کا تذکرہ کیا ہے۔ ایسا شخص جو نظم وضبط کا پابند ہو وہ ہر کسی سے نظم وضبط کی پابندی کی توقع رکھتا ہے لیکن عملی طور پر ایسا ہونا شاید ممکن نہیں اور پھر حیوانوں سے یہ توقع رکھنا کہ وہ قواعد وضوابط کی پابندی کریں

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

گے، خام خیالی ہے۔ اس کے باوجود لوگ سمجھتے ہیں کہ پالتو جانور گھر میں مخصوص یا مقررہ جگہوں پر موجود رہیں۔ مشتاق احمد یوسفی اپنے گھر میں مرغیوں کو رکھنے کے بالکل حق میں نہیں لیکن جب ایک دوست کی طرف سے مرغیاں ملیں تو انھیں گھر میں رکھنے کے بعد مصنف کے جو تجربات ہوئے وہ ایک سے بڑھ کر ایک تھا۔ اپنے گھر میں مرغیوں کے آنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ ایک مزید خطرناک غلطی ایسی ہے جس میں عوام بھی مبتلا ہیں اور خواص بھی۔ میں نے سوچا کہ عوام کو اس غلطی سے چھٹکارا دلا دوں، تمام لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مرغیاں گھر میں ان کے لیے بنائے گئے ڈبے یا دڑبے میں رہتی ہیں، مرغیوں کو جو سکون دڑبے میں آتا ہے وہ اور کہیں نہیں آتا، حالاں کہ یہ ان کی غلط فہمی ہے بلکہ گھر کا کوئی ایسا کونا نہیں جہاں مرغیاں نہ رہتی ہوں۔ تقریباً ڈیڑھ سال مرغیاں گھر میں رکھنے سے اس نے کئی تلخ تجربات کیے۔ آخر میں وہ اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ گھر میں مرغیاں ہر جگہ ہر وقت موجود رہتی ہیں اگر کسی کونے یا بستر پر موجود نہ ہوں تو یہ اپنے ایسے ایسے نشانات چھوڑ جاتی ہیں جو دھوئے نہیں دُھلتے اور مٹائے نہیں مٹتے۔ گویا ان کی بیٹ کے نشانات پکار پکار کر کہہ رہے ہوتے ہیں کہ ابھی ابھی یہاں مرغیوں کی آمد ہوئی ہے۔ گھر میں گندگی پھیلانے کے علاوہ چیزوں کو اِدھر اُدھر کر دینا بھی ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ غسل خانے میں انڈے دینا اور کتابوں کی الماری میں زندہ چوزے ان کے قدم رنجہ فرمانے کا ثبوت ہیں۔ صبح کے وقت شیو کا سامان غائب ہوتا ہے وہ سامان مخصوص الماری کی بجائے مرغیوں کے دڑبے سے برآمد ہوتا ہے۔ گویا شیو کے سامان کی جگہ پر انڈے اور انڈوں کی جگہ پر شیو کا سامان رکھ چھوڑنا ان کا روزانہ کا معمول بن چکا ہے۔

یہاں یہ واضح رہے کہ مرغیاں شیو بنانے کے لیے استعمال ہونے والا کٹورا اٹھا کر اپنے دڑبے میں نہیں لے جا سکتیں۔ یہ کارروائی اس فرد کی ہو سکتی ہے جو مرغیوں کی دیکھ بھال کرتا ہو کہ مرغیوں کو پانی پلانے کے لیے اور کوئی چیز نہ ملی تو شیو بنانے کے لیے استعمال ہونے والا کٹورا لے کر دڑبے میں پانی سے بھر کر رکھ دیا۔ گویا مرغیاں تو کسی قاعدے قانون کو نہیں جانتیں۔ گھر میں مرغیاں موجود ہوں تو گھر کے افراد بھی بے اعتدالی کا شکار ہو جاتے ہیں اور چیزوں کو اپنے مقام پر نہیں رہنے دیتے۔

مرغیاں بعض اوقات انسان کے ذاتی معاملات میں بھی مداخلت کرتی ہیں جس کا انسان کو بہت بڑا نقصان بھی ہوتا ہے۔ اس کے ثبوت کے لیے مصنف اپنا ایک اور تجربہ پیش کرتا ہے کہ پچھلے دنوں میرے کسی قریبی دوست کا فون آیا، میں نے فوراً لپک کر ریسیور اٹھایا تو میرے ہیلو کہنے سے پہلے ہی میری ٹانگوں میں کھڑے مرغ نے اذان دینا شروع کر دی۔ جس صاحب نے فون کیا تھا، میری بات کرنے سے پہلے ہی انھوں نے ''سوری رانگ نمبر'' کہہ کر فون فوراً بند کر دیا۔ اس کے بعد اسے جو غصہ مرغیوں پر آیا وہ بیان نہیں کر سکتا۔ کسی واقعہ کو اس طرح پیش کرنا کہ سننے یا پڑھنے والا مسکرا اٹھے ظرافت کہلاتا ہے۔ مشتاق احمد یوسفی نے ظرافت کے ذریعے اس مضمون میں نہایت شگفتہ اور دل چسپ انداز میں ایک عام جانور یعنی مرغی کو موضوع بنا کر گہرے مشاہدے اور تجزیے کے بعد اس کی عادات و خصائل کے ان پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے جو عام انسان کی نظروں سے اوجھل رہتے ہیں۔ مصنف کے دوست کی عطا کردہ مرغیوں کو گھر میں رکھ کر جو مصنف پر گزری، اس کا بیان اس مضمون کو اور بھی دل چسپ مزاحیہ اور پُرکشش بنا دیتا ہے۔

.....

کثیر الانتخابی سوالات

1- مصنف کے خیال میں مرغی کا صحیح مقام ہے: (بورڈ 17-2016ء)

(A) کھیت (B) دڑبہ (C) پلیٹ (D) پولٹری فارم

2- میزبان کے اخلاص و ایثار کا اندازہ ہوتا ہے:

(A) غصے سے (B) طویل قیام سے (C) مرغیوں کی تعداد سے (D) گفتگو سے

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

-3 مرغ کی آواز اور جسامت میں تناسب ہے:

(A) ایک اور دو کا (B) ایک اور چالیس کا (C) ایک اور پچاس کا (D) ایک اور سو کا

-4 گندے انڈوں کا موزوں محلِ استعمال ہے:

(A) جلسہ (B) ٹوکری (C) کرکٹ میچ (D) پھینکنے کے لیے

-5 انسان کو خواہش ہوتی ہے:

(A) دال روٹی کی (B) مرغ مسلم کی (C) پلاؤ کی (D) میٹھائی کی

-6 ایک اعلیٰ نسل کی مرغی سال میں انڈے دیتی ہے:

(A) ڈیڑھ سو (B) دو سو سے اڑھائی سو (C) تین سو (D) پونے تین سو

-7 مصنف کے خیال میں دوسرے سال مرغیاں انڈے دیں گی:

(A) دو لاکھ پچیس ہزار (B) دو لاکھ (C) تین لاکھ (D) پانچ لاکھ

-8 مصنف کے دوست مصنف کو مرغیاں دینا چاہتے تھے:

(A) ان کے پاس مرغیاں زیادہ ہوتی تھیں (B) مہمانوں کی وجہ سے

(C) دوستی کی خاطر (D) ترس کھا کر

-9 تعلیم یافتہ اصحاب اور شاعر خوش فہمی میں مبتلا ہیں:

(A) کہ مرغ صرف صبح اذان دیتا ہے (B) شام کو اذان دیتا ہے

(C) جب جی چاہے اذان دیتا ہے (D) سہ پہر کے وقت اذان دیتا ہے

-10 مصنف نے اپنی عادات و خصائل کا بغور مطالعہ کیا:

(A) ایک سال (B) اٹھارہ مہینے (C) چھ مہینے (D) دو سال

-11 کفایت شعار لوگ الارم والی ٹائم پیس کے بجائے خریدتے ہیں:

(A) مرغ (B) موبائل فون (C) وال کلاک (D) کبوتر

-12 سبق ''اور آنا گھر میں مرغیوں کا'' لیا گیا ہے:

(A) چراغ تلے (B) خاکم بدہن (C) زرگزشت (D) آب گم

-13 مشتاق احمد یوسفی پیدا ہوئے:

(A) 1923ء میں (B) 1932ء میں (C) 1935ء میں (D) 1937ء میں

-14 دنیاوی دکھوں میں مبتلا لوگوں کو مشتاق احمد یوسفی نے مشورہ دیا ہے:

(A) کبوتر پالنے کا (B) مرغیاں پالنے کا (C) بالیاں پالنے کا (D) نماز پڑھنے کا

-15 حاتم طائی کے ساتھ ذکر آیا ہے:

(A) حسنا پری کا (B) سبز پری کا (C) جل پری کا (D) حسن بانو کا

-16 موپساں کے افسانے کے ہیرو نے کس چیز کی بو سونگھ کر مرغی کی غذا بتانے کا دعویٰ کیا:

(A) گوشت کی (B) انڈے کی (C) زردی کی بو (D) سفیدی کی بو

www.pakcity.org www.pakcity.org

www.pakcity.org www.pakcity.org www.pakcity.org

17- ''اور آنا گھر میں مرغیوں کا'' کے مصنف ہیں:

(A) ابن انشا (B) مشتاق احمد یوسفی (C) کرنل محمد خان (D) غلام عباس

18- ''اس گھر میں اب یا تو یہ رہیں گے یا میں'' مصنف نے یہ جملہ کہا:

(A) دوست سے (B) بیوی سے (C) ہمسائے سے (D) نوکر سے

19- گھوڑا اپنے سوار کو پہچانتا ہے:

(A) اس کے آسن سے (B) دوڑانے سے (C) ایڑ لگانے سے (D) چابک دکھانے سے

20- مرغی کے رزق کے بارے میں مصنف کہتا ہے:

(A) خود تلاش کرتی ہے (B) فراہم کرنا پڑتا ہے (C) چھین لیتی ہے (D) بیٹھی رہتی ہے

21- ہاتھی اپنے مہاوت کا پہچانتا ہے:

(A) چابک (B) آسن (C) آنکس (D) بیٹھنے کا طریقہ

22- یوسفی صاحب کی شیو کی پیالی برآمد ہوئی: (بورڈ 2014)

(A) دڑبے سے (B) الماری سے (C) لحاف سے (D) غسل خانے سے

23- یوسفی صاحب فوت ہوئے:

(A) 2016ء (B) 2018ء (C) 2020ء (D) 2019ء

جوابات

D	-3	C	-2	C	-1
B	-6	B	-5	A	-4
A	-9	B	-8	A	-7
A	-12	A	-11	B	-10
A	-15	B	-14	A	-13
B	-18	B	-17	C	-16
C	-21	A	-20	A	-19
		C	-23	A	-22

☆☆☆☆☆

www.pakcity.org www.pakcity.org